دسمبر 2013، قیمت 10 روپے

ماہنامہ
بچوں کی دنیا
دہلی
Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

ماہنامہ
بچوں کی دنیا
دہلی
Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi
جلد:1 شمارہ:7 دسمبر2013

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	2
یوم عاشورہ	شہادت حسین کی	وسیم بریلوی	3
دنیا کے مذہب	عیسائیت کا سب سے بڑا تہوار کرسمس	نصرت ظہیر	4
مضمون	ستاروں کی دنیا	محمد خلیل	7
مضمون	اونٹ کی بھی تو سنیے	محمد شمیم صدیقی	10
نظمیں	بچپن	کوثر جہاں کوثر	13
	سڑک	محمد توحید الحق	13
کہانیاں	تحفہ	عارف مارہروی	14
	فرام سانتا کلاز	حمیرہ عالیہ	20
	مذہب نہیں سکھاتا...	اوم بنسل	23
	سچا تیرتھ	محمد اطہر مسعود خاں	24
	شیر کا علاج	طٰہٰ نسیم	28
سردی کی نظمیں	سردی آئی	خالد رحیم	30
	سردی نے پھر رنگ جمایا	مہدی پرتاپ گڑھی	30
	جاڑے کی رُت	محبوب راہی	31
	جاڑا آیا جاڑا آیا	فراغ روہوی	31
کامکس	گلیور بالشتیوں کی دنیا میں	جوناتھن سوئفٹ	32
اس مہینے کی باتیں	دسمبر	ادارہ	38
نظمیں	کتے	محمد اسداللہ	45
	مرغی	فضل اللہ رومی	45
آپ کے سوال	ڈاکٹر بقراط کے جواب	ادارہ	46
نانی کا صندوق	مرغے نے جھوٹ بولا	راجندر کرشن	49
قسط وار ناول	اسّی دن کا سفر 7	جولز ورنے	50
کھیل کھلاڑی	ہاکی	شبنم پروین	57
اردو ایس ایم ایس	اردو ایس ایم ایس	ادارہ	60
	ننھے فنکار	بچوں کی تخلیقات	61
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	خطوط	62
دماغی ورزش	ذہنی آزمائش	ادارہ	64

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

صدر دفتر
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبۂ ادارت 'بچوں کی دنیا': 49539011

ای میل
bachonkiduniya @ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں

شعبۂ فروخت: فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم، نئی دہلی-110066

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون: 040 - 24415194

آپس کی باتیں!

لو بھئی، پسینے اور امس کے دن بیتے اور رضائی گدّوں کا موسم آ گیا۔ ساحلی شہروں میں اگرچہ تھوڑی سی گرمی باقی ہے اور ممبئی، گوآ، تریویندرم، چینئی، کولکاتا جیسے شہروں میں لوگ اب بھی رات کو بجلی کے پنکھے چلا کر سو رہے ہیں لیکن شمالی ہندوستان کے میدانی علاقے سردی سے ٹھٹھرنے لگے ہیں۔ پیارے دوستو ہندوستان کی یہ بڑی خاص خوبی ہے کہ اس میں سبھی طرح کے موسم پائے جاتے ہیں۔ یوروپ کی طرح نہیں کہ بیشتر ملکوں میں دو موسموں پر گزارا ہے۔ ایک موسم عام سردی کا اور دوسرا زیادہ سردی کا۔ خط استوا یعنی Mediterranean Line پر بسے ہوئے افریقی اور صحرائی علاقوں کی طرح بھی نہیں کہ موٹے طور پر اُن کے بھی دو ہی موسم ہیں۔ ایک گرمی کا، دوسرا زیادہ گرمی کا۔

ہمارے یہاں سردی، گرمی، برسات اور بسنت بہار کے سبھی موسم اپنا جلوہ چاروں طرف بکھیرتے ہیں۔ دراصل ہمارا جغرافیہ ہی ایسا ہے۔ قدرت نے وہ حسن اسے بخشا ہے کہ ہمارے سب سے پہلے خلاباز راکیش شرما سے وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے جب یہ پوچھا تھا کہ اوپر سے ہندوستان انھیں کیسا لگتا ہے تو راکیش شرما کے منھ سے بے ساختہ نکلا، ''سارے جہاں سے اچھا...'' میں اس وقت طالب علم تھا اور بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی پر یہ تاریخی مکالمہ سننے کے بعد کروڑوں برادران وطن کی طرح میں بھی خوشی اور فخر کے احساس سے مغلوب تھا۔ لیکن آج سوچتا ہوں تو راکیش شرما کے جذباتی جملے میں حسن کی سچائی بھی نظر آتی ہے۔ ایٹلس یا گلوب کو غور سے دیکھیے۔ ڈرائنگ کے لحاظ سے اتنا حسین نقشہ کسی اور ملک کا نہیں ملے گا۔ تین طرف سمندر، ایک طرف دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ، بیچ میں کہیں جنگل، کہیں میدان، کہیں ریگستان، کہیں ندیاں، کہیں جھرنے... ان سب سے مل کر ہمارا کلچر ہی نہیں بلکہ موسم بھی ایک کمپوزٹ Composit یا اردو میں کہیں تو ایک ملی جلی تصویر پیش کرتا ہے جس میں سب کی اپنی اپنی پہچان ہے اور سب موسم ایک ساتھ رہتے ہیں۔ مثلاً مئی جون کی چلچلاتی گرمی میں ہماچل پردیش، اتراکھنڈ اور کشمیر کی اونچی پہاڑیوں پر جائیں تو وہاں برف جمی ملے گی۔ اتر پردیش اور بہار میں کڑاکے کی ٹھنڈ پڑ رہی ہو اور کہرے میں اسکول جانا بھی مشکل ہو جائے تو کیرالہ اور کنیا کماری میں لوگ تہمد اور بنیان میں خوش گوار ہوا کا لطف لیتے ملیں گے۔ ان ہی علاقوں میں جب تیز گرم ہوا، لُو بن کر جسم کو جھلسانے لگتی ہے تو چیرا پونجی کا صوبہ میگھالیہ بارش سے شرابور رہتا ہے۔

لیکن دوستو، انسان کی خود غرضی اور لالچ نے اس دنیا کے ہی نہیں ہمارے خوب صورت ملک کے حسین موسمی توازن کو بھی بگاڑنا شروع کر دیا ہے۔ کبھی امید سے زیادہ بارش ہو رہی ہے۔ کہیں موسم گرما و سرما کی شدت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ کہیں ندیوں کا مزاج بدل رہا ہے۔ اور یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم قدرتی ماحول کے ساتھ کھلواڑ کر رہے ہیں۔ شہروں کو اندھا دھند طریقے سے پھیلایا جا رہا ہے۔ پہاڑ تراشے جا رہے ہیں۔ جنگلوں کا علاقہ کم ہو رہا ہے۔ ندیوں میں گندگی بہہ رہی ہے۔ گاڑیوں کا دھواں گہرا ہو رہا ہے۔ آپ بچے ہیں اور ان حالات کو بدلنا ابھی آپ کے بس میں نہیں۔ لیکن آنے والے دنوں کے خطروں کو بھانپ کر، آس پاس کے لوگوں میں بیداری لانے کا کام تو آپ کر ہی سکتے ہیں۔ ان تبدیلیوں کے بارے میں آپس میں باتیں کیجیے، اپنے ٹیچروں سے سوالات کیجیے، اپنے گھروں میں ان سوالوں کا ذکر کیجیے، اس سے فکر مندی کا ایک بہتر ماحول بنے گا اور آپ اس زمین کی اور اس ملک کی ایک بڑی خدمت کر سکیں گے۔ ان ہی لفظوں کے ساتھ اجازت دیجیے، اور ٹھنڈ کے موسم میں اپنا خیال رکھیے۔ آپ کا

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

وسیم بریلوی

شہادت حسینؑ کی

حسین ابن علی شاہ دوعالم کے نواسے تھے
بہت اچھے بہت سچّے بڑے کردار والے تھے
صداقت کے علم بردار تھے ایماں کی طاقت تھے
خدا کے حکم پر چلتے تھے پابندِ شریعت تھے
ریاضت ان کی فطرت تھی عبادت ان کی عادت تھی
بلند اخلاق تھے فیاض تھے مومن طبیعت تھی
مگر مومن کی باطل سے کبھی بنتے نہیں دیکھی
اجالے کی اندھیرے سے کبھی چھنتے نہیں دیکھی
وہ سچے تھے تو سیدھا راستہ چلنے کے عادی تھے
مگر باطل نے ان کی راہ میں کانٹے بچھا ڈالے
انھیں دھوکے سے اپنی طے شدہ سازش میں الجھایا
جہاں سے لوٹنا ممکن نہ ہو اس بَن میں بلوایا

چلے ہوتے جو لڑنے کو بہتر کس لیے ہوتے
گھروں کی بی بیاں کیوں ہوتیں اصغر کس لیے ہوتے
یزیدی فوج نے ہر ظلم کا انداز اپنایا
بڑے کیا اس نے پانی کے لیے بچوں کو ترسایا
بلا کا رَن پڑا اور کربلا کی شام آ پہنچی
شہادت کی نئی تاریخ سب نے خون سے لکھی
حسینی حق پرستی پر فدا ہونے کو راضی تھے
بہتر کے بہتر ایک ہی مولا کے حامی تھے
یہ وہ بے مثل قربانی ہے بچو جس کے صدقے میں
خدا کے دین کا احساس زندہ ہے زمانے میں
خراج اپنا شہیدان وفا کو اس طرح دینا
کوئی مشکل گھڑی آئے تو ان کو یاد کر لینا

♦ پروفیسر وسیم بریلوی، وائس چیئرمین قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون جسولہ انسٹی ٹیوشنل ایریا، نئی دہلی 110025

□ نصرت ظہیر

عیسائیت کا سب سے بڑا تہوار

کرسمس

کرسمس، عیسائی مذہب کو ماننے والوں کا سب سے بڑا تہوار ہے جو حضرت عیسیٰ مسیح کے یوم ولادت کی خوشی میں دنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔لفظ کرسمس Christmas دراصل دو لفظوں کرائسٹ Christ یعنی حضرت عیسیٰ اور ماس Mass سے مل کر بنا ہے جس کا مطلب ہے مذہبی اجتماع۔چنانچہ اصل لفظ ہے Christ's Mass۔یہی لفظ مختصر ہوتے ہوتے کرسمس میں ڈھل گیا ہے۔

انگلینڈ میں اسے Xmas بھی کہا جاتا ہے۔ہندوستان میں دوسرے مذاہب کے لوگ اسے بڑا دن کہا کرتے تھے، اور کہیں کہیں اب بھی کہتے ہیں۔ دنیا کے کروڑوں عیسائی اسے ہر سال 25 دسمبر کو مناتے ہیں اور اس روز دنیا کے 192 ملکوں میں عام چھٹی ہوتی ہے۔جن ملکوں میں عام تعطیل نہیں ہوتی ان میں افغانستان، بحرین، بھوٹان، چین ، ایران، اسرائیل، جاپان، کویت، مالدیپ،

ویٹیکن سٹی کا ایک دل کش منظر

پاکستان، سعودی عرب، ترکی، متحدہ عرب امارات، ویت نام اور یمن وغیرہ شامل ہیں۔

یہ تہوار جیسا کہ ہم نے کہا حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ مسلمان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور انھیں اللہ کا نبی مانتے ہیں۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ خدا کے بیٹے تھے، جنھوں نے انسانوں کی نجات کے لیے حضرت مریم کے بطن سے جنم لیا، جنھیں وہ کنواری ماں مریم Virgin Mother Marry کہتے ہیں۔ اسلام میں ماں مریم کو کنواری تو مانا گیا ہے لیکن حضرت عیسیٰ کو اسلام خدا کا بیٹا نہیں مانتا۔ حضرت عیسیٰ کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی اس پر سب میں اتفاق نہیں ہے۔ تاریخ دانوں کے مطابق وہ مسیحی کیلنڈر کی شروعات سے سات اور دو سال پہلے کے عرصے میں پیدا ہوئے تھے لیکن مہینہ اور دن کون سا تھا اس کا پتہ وہ بھی نہیں لگا پائے۔ مشرقی عیسائی دنیا میں کرسمس 6 جنوری کو منایا جاتا تھا۔ بلکہ آرمینیا کا آرمینین اپوسٹولک چرچ تو اب بھی 6 جنوری کو ہی کرسمس کی تقریبات مناتا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کے شروع یا بیچ کے دنوں میں 25 دسمبر کو کرسمس منایا جانے لگا اور بعد میں مشرقی دنیا نے بھی اسی تاریخ کو اپنا لیا۔

دنیا کے اکثر مذہبوں کی طرح عیسائیوں میں بھی کئی فرقے ہیں۔ پرانا فرقہ رومن کیتھولک عیسائیوں کا ہے جو روم میں دنیا کے سب سے چھوٹے ملک ویٹیکن Vetican میں قیام کرنے والے پاپائے روم یا پوپ کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ دوسرا بڑا فرقہ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا ہے۔ لیکن سبھی فرقے بڑے جوش خروش اور عقیدت سے اس دن کو مناتے ہیں۔

اس روز عیسائیوں میں تحفے دینے، کرسمس کی موسیقی بجانے، حضرت عیسیٰ کی تعریف اور ان کی پیدائش کی خوشی کا اظہار کرنے والے نغمے (کیرول Carol) گانے کا رواج ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو کرسمس کارڈ بھیجتے ہیں، چرچ سجائے جاتے ہیں، خصوصی کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، کرسمس کی طرح طرح کی سجاوٹیں گھروں اور عام مقامات پر ہوتی ہیں۔ ان میں کرسمس کے درخت کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ کرسمس کی رات کے لیے اصلی یا نقلی درخت کو روشنیوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گھروں میں کرسمس لائٹ لگائی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور ان کے بچپن کے دنوں اور مشہور واقعات کو دکھانے والی طرح طرح کی خوب صورت جھانکیاں بنائی جاتی ہیں۔ لوگ مشہور مقدس ہستیوں اور عیسائی ولیوں مثلاً سانتا کلاز، فادر کرسمس، سینٹ نکولس، اور کرائسٹ کائینڈ کا بھیس بدل کر بچوں کے لیے تحفے اور کھلونے لاتے ہیں۔ ہاں، ایک بات اور فادر

▲ دھلی کے ایک اسکول میں مختلف مذہبوں کے طالب علم کرسمس کے موقع پر الگ الگ بھیس میں

کرسمس برطانیہ میں زیادہ مقبول ہیں۔ مگر امریکہ میں سانتا کلاز کو زیادہ شہرت حاصل ہے اور لوگوں کا کہنا ہے کہ فادر کرسمس اور سانتا کلاز دراصل ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ یروشلم (بیت المقدس) کے نزدیک چھوٹے سے فلسطینی شہر بیت لحم Bethlehem میں پیدا ہوئے جسے یہودیوں کے اعلیٰ ترین مذہبی رہنما حضرت داؤدؑ کا شہر بھی مانا جاتا ہے اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ کے نبی تھے۔ حضرت عیسیٰ کو مذہبی عقیدوں کے مطابق خدا نے بڑی روحانی طاقت دی تھی۔ وہ بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے اور اسی بنا پر انھیں مسیح بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہوتا آیا ہے ہر نبی یا پیغمبر کے دنیا میں آنے پر مقامی لوگ اور حکمراں ان کی مخالفت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ لیکن انھوں نے لوگوں کے ظلم و ستم سہنے کے بعد بھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ یہاں تک کہ انھیں صلیب پر چڑھا دیا گیا مگر وہ صلیب پر بھی اپنے قاتلوں کے لیے نجات اور معافی کی دعا کرتے رہے۔ مسلمان بھی ان کا بڑا احترام کرتے ہیں اور انھیں خدا کا نبی مانے بغیر اپنے ایمان کو مکمل نہیں سمجھتے۔ مسلم خلیفہ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے جب یروشلم کے ساتھ بیت لحم کو فتح کیا تو وہاں کی تمام عبادت گاہوں اور عیسائیوں کے مقدس مقامات کی مکمل حفاظت کی اور انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ اس کے باوجود مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بڑی خونریز جنگیں ہوئیں جنھیں عیسائی تاریخ داں صلیبی جنگیں Crusades کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ نے لوگوں کو ہمیشہ سچ بولنے، تمام انسانوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آنے، صبر و تحمل سے کام لینے، ہر حالت میں تشدد سے دور رہنے، ضرورت مندوں کے کام آنے اور ہر شخص سے بے غرض محبت کرنے جیسی نیک تعلیم دی۔ تشدد کے وہ بے حد خلاف تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی تمھارے گال پر تھپڑ مارے تو بدلہ لینے کی بجائے دوسرا گال اس کے آگے کر دو، اس سے تشدد کرنے والا شرمندہ ہوگا اور کمزور پڑ جائے گا۔ ہمارے قومی رہنما مہاتما گاندھی حضرت عیسیٰ کے اس فلسفے میں گہرا یقین رکھتے تھے اور اسی سے انھیں اہنسا کے نظریے کی تحریک بھی ملی۔

▲ کرسمس کی جھانکی سے سجا ہوا ایک ہندوستانی گھر

ہندوستان کے تقریباً تین کروڑ عیسائی پورے جوش و خروش سے کرسمس مناتے ہیں اور دوسرے مذہبوں کے لوگوں کو بھی اس روز سانتا کلاز بن کر بچوں میں تحفے تقسیم کر کے عیسائیوں کی خوشی میں شریک ہوتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ □

محمد خلیل

ہمارے پلانیٹیریم
ستاروں کی دنیا

آسمان کے حالات کو جاننے کے لئے قدیم زمانے سے ہی انسان کوشش کرتا رہا ہے۔ جس کے لئے اس نے سیاروں کی تصویریں بنائیں، ستاروں کے گلوب بنائے جن میں ستاروں کو اصل جگہ پر دکھایا گیا۔ پھر ایک گول کھوکھلا خول بنایا جس کے سوراخوں کے ذریعے اس میں دن کی روشنی داخل ہوسکتی تھی اور اس طرح اس کے اندر دیکھنے سے رات کے آسمان کا سماں معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر اسے بصری تصویر نما یعنی آپٹیکل پروجیکٹر کے ذریعے دکھایا گیا۔

سائنسدانوں نے اسی ترکیب سے آگے کام کرتے ہوئے سیارہ نما یعنی پلانیٹیریم کا پہلا ماڈل 1923 میں جرمنی میں تیار کیا۔ وقت کے ساتھ اس کی مشین میں بہت سی تبدیلیاں لائیں گئیں تاکہ اس کے ذریعے آسمان میں ستاروں کی حرکتوں کو دکھایا جا سکے اور اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ آپ اس کے ذریعے جب بھی چاہیں ستاروں کی حرکت کو آسانی کے ساتھ بیٹھ کر جب تک دیکھنا چاہیں دیکھ سکتے ہیں اور مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اس وقت ہندوستان کے سولہ بڑے شہروں میں پلانیٹیریم بنائے جا چکے ہیں۔ انہیں میں ایک نئی دہلی کا 'نہرو پلانیٹیریم' بھی ہے۔ پلانیٹیریم کی بناوٹ بڑی پیچیدہ ہوتی ہے۔ یہ کافی ہوشیاری کے ساتھ تعمیر کیا جاتا ہے۔ اس کے گنبد کا قطر یعنی دائرے کی چوڑائی 23 میٹر یا زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ اس کی اندرونی سطح میں کانچ کے سینکڑوں لینس اور شیشے کے تکون (پرزم) لگے ہوتے ہیں۔ یہ دراصل ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس کی چھت نصف گنبد نما ہوتی ہے۔ ہال کی زمین پر بیچ میں ڈمرو کی شکل کا ایک پروجیکٹر لگا ہوتا ہے۔ یہ مختلف زاویوں سے گھوم سکتا ہے۔ اس کے چاروں طرف دیکھنے والوں کے لئے کرسیاں لگی ہوتی ہیں جن پر بیٹھ کر آپ آرام کے ساتھ سر کو ذرا اوپر اٹھا کر ستاروں کی دنیا کی سیر کر سکتے ہیں۔ بڑے پروجیکٹر کے ساتھ کئی چھوٹے پروجیکٹر بھی لگے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر دہلی کے نہرو پلانیٹیریم کے بڑے انسٹرومنٹ میں 24 پروجیکٹر لگے ہوئے ہیں۔ بڑے پروجیکٹر کی مدد سے اس گنبد نما عمارت کی چھت کی اندرونی سطح پر سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کی موجودگی اور ان کی گردش سنیما کی طرح ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ٹیپ رکارڈر یا آڈیو سی ڈی کی مدد سے ستاروں کی دنیا کی روداد بیان کی جاتی ہے اور آدھ گھنٹے کا معلوماتی پروگرام منعقد ہوتا ہے۔ فلکیات یعنی آسٹرونومی

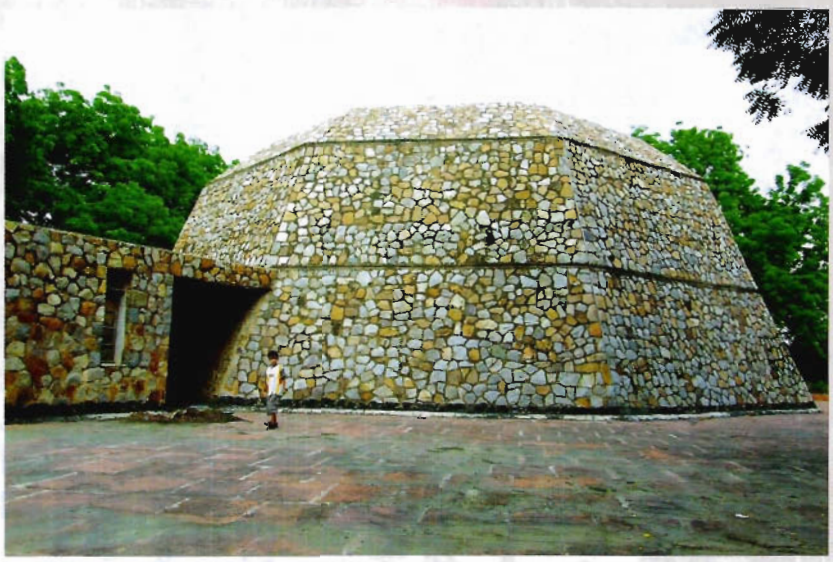

اس کی صورت پر نہ جایئے: یہ دہلی کا نہرو پلانیٹیریم ہے جس میں داخل ہوتے ہی کائنات آپ کے سامنے ہوگی

کے کس موضوع پر آپ پروگرام دیکھنا چاہتے ہیں اس کا انتخاب آپ کو کرنا ہوگا۔ جیسے ہی دیکھنے والے جمع ہو کر اپنی کرسیوں پر آبیٹھتے ہیں سب سے پہلے روشنی کم کی جاتی ہے اور پھر صبح، شام اور آدھی رات کے وقت کا آسمانی منظر دیکھایا جاتا ہے۔ لیکن جیسے ہی پوری طرح اندھیرا ہو جاتا ہے۔ گنبد نما چھت کی اندرونی سطح پر مصنوعی آسمان میں ستارے اور سیارے نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ نظارہ بالکل ویسا ہی ہوتا ہے جیسا رات کے وقت ہم میدان میں کھلے آسمان کو دیکھ کر محسوس کرتے ہیں۔ سبھی آسمان میں گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ایک خاص بات آپ یہ دیکھیں گے کہ گھومتے ہوئے آسمان میں ستارے، چاند اور سیارے نہ تو روکتے ہیں اور نہ آپس میں ٹکراتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے گردش کر رہے ہوں۔

اس عمارت میں چاند کی مختلف شکلیں اور دمدار ستارے کی مختلف شکلیں مختلف اوقات میں آسمان میں ہونے والی تبدیلی اور نئی چیزوں کو دیکھنے کے لئے مختلف پروجیکٹر لگے ہوئے ہیں۔

آسمان میں ہونے والے مختلف اور اہم واقعات کو دیکھنے کے لئے بھی انتظام ہوتا ہے۔ آپٹیکل پروجیکٹر میں موٹر بھی لگے ہوتے ہیں، تاکہ ستاروں کی حرکت کو اچھی طرح دیکھا جا سکے۔ اس پلانیٹیریم کے ذریعے مجموعی طور پر تقریباً نو ہزار ستاروں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ستاروں کے اٹھارہ جھرمٹ بھی نظر آتے ہیں۔ بیس چمکدار ستاروں کو دیکھانے کے لئے اس میں مختلف قسم کے بیس چھوٹے پروجیکٹر لگے ہوئے ہیں۔

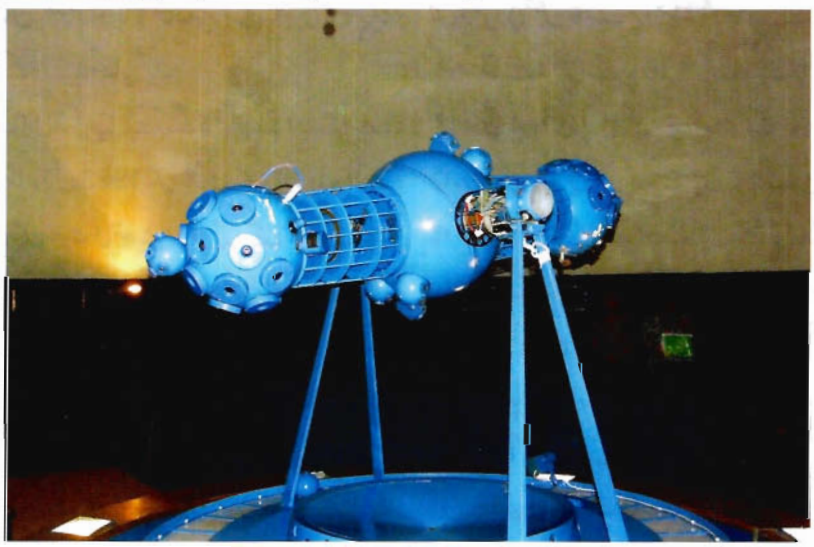

"اٹی لینس" پراجیکٹر جو کائنات کو سبھی زاویوں سے سامنے لے آتا ہے

ستاروں کی چمک گھومنے والی شٹر کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔اسی طرح سورج ، چاند اور چمکدار سیاروں کو خاص قسم کے پروجیکٹروں کے ذریعے دیکھا جاسکتا ہے۔ چاند جب زمین کے چاروں طرف گردش کرتا ہے تو اسے بھی ہم دیکھ سکتے ہیں۔اس وقت سورج ، چاند اور زمین کے زاویے کس طرح تبدیل ہوتے ہیں۔صرف پانچ سیاروں کی پیچیدہ گردشیں، جیسے کہ زمین سے نظر آتی ہیں۔ پلانیٹیریم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔کچھ ایسے بھی پروجیکٹر لگے ہوتے ہیں جن کے ذریعے ہمیں مقناطیسی خطِ استوا (میگنیٹک میریڈین) کے قریب مختلف سیاروں کی حرکتوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ سورج اور چاند گرہن کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ دکھاتا ہے۔ٹوٹے ہوئے ستاروں کا ایک بہت ہی عمدہ منظر یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ پلانیٹیریم کے پروجیکٹر اس طرح لگے ہوتے ہیں کہ زمین کی تین خاص گردشیں (یومیہ، سالانہ اور تقویمی) دیکھ سکتے ہیں۔ یومیہ گردش سے سورج مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتا ہوا آپ دیکھ پائیں گے۔ پلانیٹیریم کے پروجیکٹر کو چاروں طرف گھمایا جاسکتا ہے۔ تاکہ وہ آسمان جو دنیا کے کسی بھی حصے میں دیکھائی دے رہا ہو اسے گنبد پر پیش کیا جاسکے۔ اس طرح خواہش کے مطابق آپ قطب جنوبی اور قطب شمالی میں ستارے کیسے دکھائی دے رہے ہیں انہیں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ سورج ، چاند اور ستاروں کی ایک سال کی رفتار کو کچھ ہی لمحوں میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔

کولکاتا میں برلا کے نام پر بنایا گیا ہندوستان کا سب سے پرانا پلانیٹیریم

ملک کے کئی پلانیٹیریم میں کولکاتا کا برلا پلانیٹیریم سب سے بڑا اور سب سے پرانا ہے۔ یہ 1962 میں قائم ہوا تھا۔ اس کے بعد ممبئی کا پلانیٹیریم 1977 میں شروع ہوا جبکہ نئی دہلی کا پلانیٹیریم 6 جنوری 1994 میں قائم کیا گیا۔ یہ ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چند برس پہلے شہاب ثاقب یعنی Meteors کا مشتری (جوپیٹر) پر جو حملہ ہوا تھا اسے بھی پلانیٹیریم میں دیکھا اور دکھایا گیا تھا۔ حملے کی وجہ سے ہوئی روشنی کچھ چوڑی نظر آرہی تھی۔ پلانیٹیریم کے ہال میں باہر کچھ سائنسی ماڈل کی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ سویوز ٹی۔10 کو آپ دیکھ سکتے ہیں جس کے ذریعے ہندوستانی خلابازوں نے خلا میں قدم رکھا تھا۔ ایشیا کے سب سے بڑے ٹیلی اسکوپ کا ماڈل، شمسی نظام اور کائنات کی کہانی کے ماڈل بھی یہاں موجود ہیں۔اس کے علاوہ کھیل کھیل میں ہماری کائنات کے بارے میں معلومات بڑھانے کی اور بھی کئی چیزیں یہاں ہیں جنھیں دیکھ کر آپ یقیناً خوش ہوں گے۔

اس طرح پلانیٹیریم ہمارے لئے ایک تفریح کا ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے فلکیاتی سائنس کی عام معلومات حاصل ہوتی ہیں اور جب ہم اسے خود ہال میں بیٹھ کر دیکھ رہے ہوں تو ان خوبصورت آسمانی مناظر کا اثر ہمارے دماغ پر پڑتا ہے۔اس طرح ہم ان قدرتی کرشموں سے واقف ہوسکتے ہیں۔لہٰذا اب آپ جب بھی دہلی گھومنے آئیں تو نہرو پلانیٹیریم دیکھنا ہرگز نہ بھولیں۔اور ہاں چلتے چلتے ایک بات اور۔نہرو جی کے نام پر ممبئی اور بنگلور میں بھی دو پلانیٹیریم موجود ہیں۔ان میں بھی بچوں کو ہماری کائنات کے بارے میں بہت کچھ دیکھنے کو ملتا ہے۔□

♦ ڈاکٹر محمد خلیل ایچ 51 ڈاکٹر اقبال لین بلاہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی 110025

□ شمیم احمد صدیقی

اونٹ کی بھی تو سنیے!

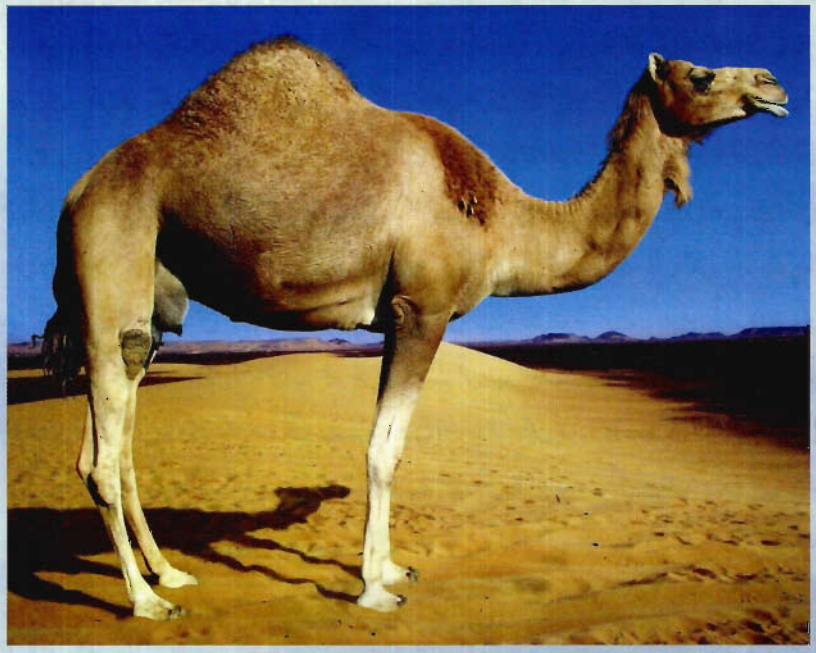

کیوں بھئی! آپ میری پتلی اور لمبی ٹانگیں، میری پیٹھ پر نکلا کوبڑ اور میری عجیب انداز کی مُڑی ہوئی لمبی گردن دیکھ کر ہنس کیوں رہے ہیں۔ شاید آپ ہی کے کسی بھائی نے مجھے دیکھ کر میرا مذاق اُڑاتے ہوئے یہ فقرہ کسا تھا۔ ''اونٹ رے اونٹ، تیری کون سی کل سیدھی''۔ ہاں بھائی! میں ٹیڑھا میڑھا، عجیب ڈیل ڈول کا جانور آپ انسانوں کے کس قدر کام آتا ہوں، آپ کو معلوم ہو جائے گا تو بجائے میرے اوپر ہنسنے کے آپ کو اپنے اوپر ہنسی آئے گی اور قدرت کا شُکر ادا کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اس نے اس قدر کام آنے والی چیز تخلیق کی۔

شائد آپ کو پتہ نہ ہو ہے کہ آپ کے بزرگوں نے مجھے 'ریگستان کا جہاز' کہہ کر میری عزت افزائی کی ہے۔ کیوں بھلا؟ ایسے ہی تو یہ بات نہیں کہی ہوگی انھوں نے۔

چلیے میں آپ کو اس کی وجہ بتاتا ہوں۔ ریگستان میں دور دور تک ریت کی موٹی تہہ جمی ہوتی ہے جس پر آمد و رفت کے لئے کوئی سڑک بنانا یا ہوائی جہاز اُڑانے کے لئے اور اُڑتے ہوئے جہاز کو زمین پر اُتارنے کے لئے کوئی ہوائی اڈّہ بنانا اس قدر مشکل ہے کہ بہت امیر ملکوں کی حکومتیں بھی ان کاموں کی ہمت نہیں کر پاتیں۔ لہٰذا ریگستان میں سفر کرنے کے لئے اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے انسان مجھ کو ہی استعمال کرتا رہا ہے۔ میرے علاوہ سواری اور سامان ڈھونے میں استعمال ہونے والے دوسرے جانور، بیل، گدھا، گھوڑا، ہاتھی وغیرہ ریگستان میں چند قدم بھی نہیں چل پاتے کیونکہ اُن کے پیر ریت میں دھنس جاتے ہیں جب کہ میں اپنے چوڑے اور گدّی دار پنجوں کی وجہ سے بہ آسانی چل سکتا ہوں۔ قدرت نے میرے جسم کی بناوٹ، میرے کھانے پینے کے طور طریقے اور کچھ دوسری باتوں میں مجھے

دوسرے جانوروں سے الگ رکھا ہے اور یہ تمام خصوصیات اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ مجھے ریگستان میں چلنے پھرنے یا کام کرنے کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ چونکہ ریگستان میں دور دور تک پانی کا نام ونشان نہیں ہوتا اس لئے میں ایک مرتبہ میں اس قدر پانی پی لیتا ہوں کہ پھر دو ہفتہ تک ضرورت نہیں پیش آتی۔ میری پیٹھ پر جو بڑا سا کوبڑ یا کوہان ہے اس میں چربی بھری رہتی ہے لہٰذا اگر مجھے ایک ماہ تک بھی کچھ کھانے کو نہ ملے تو یہ چربی ہی غذا کا بدل بن جاتی ہے۔ اور ہاں سینٹرل ایشیا میں تو میرے بھائی بند دو دو کوہان رکھتے ہیں۔ کئی لوگ مجھے ایک کوہان کی وجہ سے ون سیٹر One Seater یعنی ایک کرسی والی سواری اور انھیں ٹو سیٹر Two Seater کہہ کر مذاق اڑاتے ہیں۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ کوہان کے سہارے میری پیٹھ پر جو گدّے دار زین Saddle باندھی جاتی ہے اس پر کئی لوگ چڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

میری لمبی گردن پر بھی افسوس ہے کہ آپ کو ہنسی آتی ہے۔ حالانکہ میری اونچائی کو دیکھتے ہوئے گردن کا اتنا لمبا ہونا ضروری تھا۔ ویسے بھی ریگستانوں میں درختوں کے نچلے حصوں پر بکریاں میرے کچھ نہیں چھوڑتی ہیں اس لیے اونچائی پر لگی ہریالی کھانے میں یہ لمبی گردن میرے خوب کام آتی ہے اور صرف ژراف ایسا جانور ہے جو گردن کی لمبائی میں میرا مقابلہ کرسکتا ہے۔

آپ پوچھیں گے کہ میں کھاتا کیا ہوں تو جناب عرض ہے کہ میں بھی گائے، بھینس اور گھوڑے کی طرح سبزی خور جانور ہوں اور ہر قسم کا گھاس پھوس حتیٰ کہ کانٹے دار جھاڑیاں، جن کو بہت سے جانور چھوتے بھی نہیں، میں بڑے شوق سے کھالیتا ہوں البتہ اناج میں جَو مجھے قطعی پسند نہیں ہے لہٰذا اگر کبھی آپ کا کوئی عزیز یا دوست اونٹ پر سوار ہوکر آپ سے ملنے آئے تو آپ اپنے مہمان کو تو اُس کی پسند کی چیزیں کھلائیں لیکن اُن کی سواری کو جَو کے علاوہ کوئی دوسرا اناج، بھوسہ، چوکر، ببول یا دیگر کوئی بھی گھاس پھوس کھانے کے لئے دیجیے گا۔ قدرت نے مجھے ایسے جبڑے دیئے ہیں کہ میں کانٹوں کو بھی پتیوں کی طرح چبا کر ہضم کرلیتا ہوں۔ آپ کو یہ جان کر بھی حیرت ہوگی کہ آپ کی اور دیگر جانوروں کی آنکھوں کی حفاظت کے لئے تو قدرت نے صرف پپوٹے بنائے ہیں لیکن ریگستان میں اُڑنے والی دھول اور ریت کے ذرّات سے بچاؤ کے لئے میری آنکھوں پر مزید دو جھلّیاں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ریگستان میں آنے والے ریت کے طوفان میں بھی مجھے اپنا سفر جاری رکھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی۔

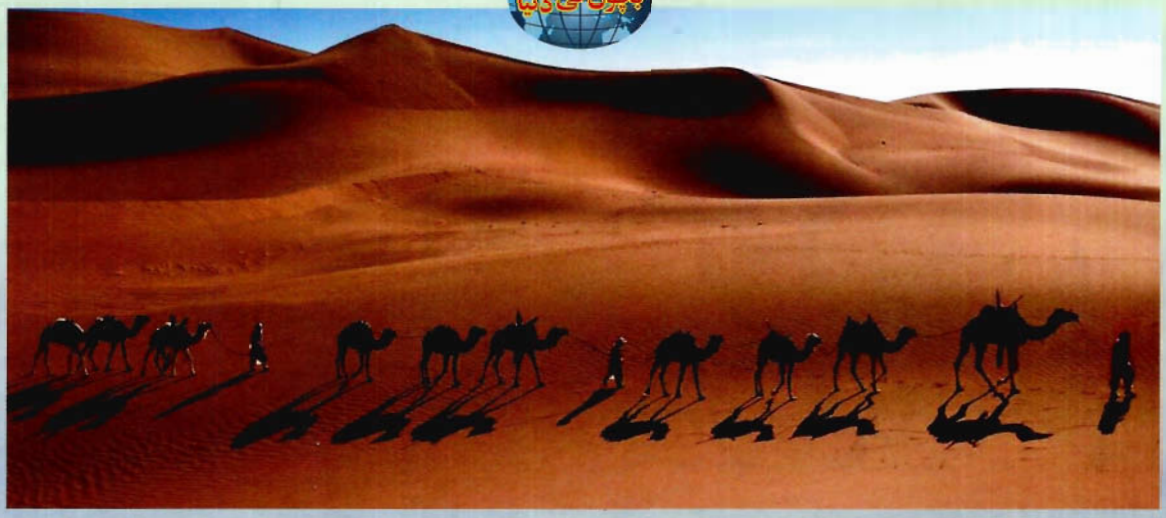

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آپ کے بزرگوں نے میرا لقب 'ریگستان کا جہاز' کچھ سمجھ کر ہی رکھا تھا۔ بزرگوں کی تمام باتیں حکمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ آیئے اب میں آپ کو ایک دلچسپ حکایت سناتا ہوں جو عرصہ سے آپ کے بزرگ اپنے بچوں کو سناتے آرہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک گاؤں میں دو دوست تھے ایک کمہار اور دوسرا گھسیارا۔ کمہار ہفتوں محنت کر کے مٹّی کے برتن بناتا، پھر انہیں سُکھا کر بھٹی میں پکا کر گدھے پر لاد کر شہر جا کر بیچ آتا۔ گھسیارا ہر روز گھاس چھیل کر اکٹھا کرتا اور شہر لے جا کر اسے بیچ دیتا۔ دونوں ہی شہر سے اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں خرید لاتے۔ کسی تہوار کے موقع پر کمہار نے ڈھیر سارے مٹی کے برتن، کھلونے وغیرہ تیار کیے اور گھسیارے نے بھی اپنے معمول سے بہت زیادہ گھاس اکٹھا کی تا کہ زیادہ پیسے ہاتھ آئیں اور تیوہار کے لیے شہر سے ساز و سامان خرید کر لائیں۔ بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے گاؤں کے ایک شخص سے ایک دن کے لئے اس کا اونٹ کرائے پر لیا اور ایک طرف کمہار نے برتن لادے تو دوسری طرف گھسیارے نے اپنی گھاس۔ اونٹ تو بہر حال ایک جانور ہی ہے۔ راستہ میں جب بھی موقع ملتا وہ گردن گھما کر کچھ گھاس کھا لیتا۔ اونٹ کو گھاس کھاتا دیکھ کر کمہار ہنس دیتا گویا یہ کہہ رہا ہو کہ میرا پیشہ تمہارے پیشے سے بہتر ہے کیونکہ اونٹ مٹی کے برتن وغیرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ شہر پہنچنے پر جب اونٹ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا گیا تو جس جانب وزن زیادہ تھا اونٹ اسی کروٹ بیٹھ گیا جس کی وجہ سے بہت سے مٹی کے برتن دب کر ٹوٹ گئے۔ بس اُس دن سے آپ کے بزرگوں نے کسی ایسے کام کے بارے میں جس میں کامیابی یقینی نہ ہو یہ محاورہ استعمال کرنا شروع کر دیا کہ ''دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے''۔

جناب والا! میں انسان کے لئے صرف سواری یا بار برداری ہی میں استعمال نہیں ہوتا ہوں بلکہ لوگ میرا گوشت بھی کھاتے ہیں اور دودھ بھی پیتے ہیں۔ آپ حیرت کریں گے کہ دیگر جانوروں کے دودھ کی طرح میرا دودھ ایک دو روز رکھنے پر خراب نہیں ہوتا بلکہ دو ماہ تک محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ اب آپ میرے بے ہنگم ڈیل ڈول کو دیکھ کر میرے اوپر کوئی پھبتی نہیں کسیں گے اور نہ یہ کہہ کر میرا مذاق اڑائیں گے کہ ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' بلکہ جس طرح آپ کے ایک بزرگ مولوی اسماعیل میرٹھی نے گائے کی تعریف کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا:

رب کا شُکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی

اسی طرح میری بھی یہ کہتے ہوئے تعریف کریں گے کہ:

رب کا شُکر ادا کر بھائی
جس نے اونٹ کو دی اونچائی

♦ ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی سی 2 نسیم منزل مدح گنج پولیس چوکی سیتاپور روڈ لکھنؤ-226020

□ کوثر جہاں کوثر

بچپن

نئی نئی دنیا لگتی تھی نئے نئے سے لوگ

کھلتی کلیاں صبح سویرے کیسے مدھم مدھم
حیرت ہوتی، پھول پہ کیسے جم جاتی ہے شبنم
چڑیوں کی آواز سناتی گھنگروجیسی چھم چھم
بارش کی بوندیں گرتیں پیڑوں پہ رم جھم رم جھم
برگد کی داڑھی کو پکڑے بچے پینگ بڑھاتے
کوے مینا کوئل چڑیاں مل کر شور مچاتے

ماں کے ہاتھوں کی اک خوشبو بس جاتی تھی روٹی میں
بنا شکر لگتا تھا میٹھا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی
تھا کتنا معصوم سا بچپن بات نہ ہم نے جانی
وہ پنچھی میٹھی آوازیں نور سی اجلی بھور
پھسل گئی کیوں ہاتھ سے اپنے وہ سپنوں کی ڈور

◆ پروفیسر کوثر جہاں 786 گڑھی روڈ نیو کالونی کھنوگاؤں وی آئی پی روڈ بھوپال 462001

□ محمد توحیدالحق

سڑک

ایک دوجے سے ملاتی ہے سڑک
منزلوں تک لے کے جاتی ہے سڑک
ہے کہیں ہموار اور سیدھی بہت
اور کہیں پہ بل بھی کھاتی ہے سڑک
دھوپ ہو گرمی ہو یا برسات ہو
ساری تکلیفیں اٹھاتی ہے سڑک
ہو سواری کوئی اچھی یا بری
سب کو سینے سے لگاتی ہے سڑک
پرکشش منظر دکھاتی ہے کبھی
حادثوں کا دکھ بھی پاتی ہے سڑک
مختلف لوگوں سے رکھ کر میل جول
قومی یک جہتی سکھاتی ہے سڑک
زندگی بھر یوں بس چلتے رہو
راز جینے کا بتاتی ہے سڑک

◆ محمد توحیدالحق نزد میونسپل اردو پرائمری اسکول اسماعیل پورہ کامپٹی ناگپور 441002

کہانی

عارف مارہروی

تحفہ

میں ابھی ابھی بازار سے لوٹ کر آیا ہوں۔ پوری طرح بیٹھ بھی نہیں پایا ہوں کہ فوراً ہی عامر کی دلہن سیما سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور بڑی عاجزی بھرے لہجہ میں کہتی ہے ''ابا! جلدی سے ایک کلو دودھ اور لے آیئے۔ سب دودھ کسٹرڈ میں پڑ گیا۔ چائے اور کافی بنانے کے لئے ایک بوند بھی نہیں بچا۔''

سیما میرے ہاتھ میں سو روپے کا نوٹ دے کر الٹے پیروں لوٹ جاتی ہے، اور میں سناٹے میں بیٹھا رہ جاتا ہوں۔ میں ابھی ابھی تقریباً آدھا کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے آ رہا ہوں۔ میری ٹانگیں بری طرح دکھ رہی ہیں۔ بدن میں سنسنی سی دوڑ رہی ہے۔ اپنی جگہ سے ہلنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا ہے۔ مگر میں انکار بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ گھر میں میرے سوا اور کوئی بازار جانے والا نہیں ہے اور آج میرے پوتے ناصر کی چھٹی سالگرہ ہے۔

میں بڑی مشکل سے اپنی ٹانگوں پر پورا زور لگا کر کھڑا ہوتا ہوں۔ کمرے سے باہر نکلتا ہوں۔ گھر میں بچوں کا شور گونج رہا ہے۔ برابر والے بڑے کمرے میں ڈی وی ڈی پر پپی برتھ ڈے کا گیت گونج رہا ہے۔ اندر بہت سارے بچوں کے گانے، قہقہے لگانے اور باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ سیما اور کچھ عورتوں کی بھی آوازیں آ رہی ہیں۔ آنگن میں بھی تیز روشنی ہو رہی ہے۔ رنگ برنگے لہریے جھلملا رہے ہیں۔ ایک طرف کچھ بوڑھی عورتیں بیٹھی ہیں۔ جو آپس میں بھی باتیں کر رہی ہیں۔ ''یہ دیکھو! یہی ہیں ناصر کے دادا''

دوسری آواز آتی ہے ''اوئی اللہ! اتنے بوڑھے، انھیں تو میں روزانہ دیکھتی ہوں، ہر وقت تھیلا لٹکائے بازار جاتے اور آتے ہوئے۔''

تیسری کہتی ہے ''ارے بہن! میں تو یہ سمجھی تھی کہ سیما کے یہاں کا کوئی نوکر ہے، بھلا اس طرح رکھتی ہے اپنے سسر کو؟''

''ارے اس سے زیادہ بری طرح تو ساس کو رکھتی ہے۔ بے چاری دادی ہیں ناصر کی۔ اماں تو بیٹے اور مہمانوں کے لیے خوشیاں منا رہی ہیں اور دادی بے چاری نوکرانی کی طرح باورچی خانے میں گھسی ہوئی ہیں۔''

میرے دل کو دھکا سا لگتا ہے۔ میں چلتے چلتے باورچی خانے کی طرف دیکھتا ہوں جہاں میری بیوی نجمہ واقعی کسی نوکرانی کی طرح لگی ہے۔ کڑھائی میں کوئی پکوان تل رہی ہے۔ خوشبوئیں آنگن میں بھی مہک رہی ہیں۔ میں افسردہ سا آگے بڑھ جاتا ہوں باہر نکلنے کے دروازے سے پہلے سیدھے ہاتھ کی طرف مردانہ بیٹھک ہے۔ جس میں ٹی وی پر کوئی پروگرام چلنے کے ساتھ ہی عامر اور اس کے دوستوں

کے خوشگوار موڈ میں باتیں کرنے کی آوازیں آرہی ہیں۔

میرے باہر نکلنے سے پہلے ہی عامر مجھے دیکھ کر کمرے سے نکل آتا ہے۔اس کے بدن پر قیمتی کپڑے کی پتلون قمیص ہیں اور موڈ خوشگوار۔وہ مجھے روک کر کہتا ہے ''آپ باہر جارہے ہیں ابا! تو ذرا برتن والے کی دوکان سے کریم رول کا ڈبہ لے لیجئے گا۔اس نے اسی وقت دینے کو کہا تھا۔''

عامر مجھے بڑا نوٹ دیتا ہے۔میں نوٹ جیب میں رکھ کر باہر نکلتا ہوں۔عامر اندر چلا جاتا ہے۔میں سڑک پر اترتا ہوں۔بہت تیز سردی ہے۔مگر ابھی رات شروع ہوئی ہے اس لیے سڑک پر چہل پہل ہے۔ میری آنکھوں کی روشنی ویسے ہی کمزور ہے۔روشنی میں بھی بس اندازے سے چلتا ہوں۔سامنے سے آنے والی بائیک یا کار کے ہیڈ لیمپ کی روشنی عینک پر پڑے تو چکا چوند مجھے بالکل اندھا سا کر دیتی ہے۔

میں سڑک پر کچھ دور ہی چلتا ہوں کہ سامنے سے آنے والی ایک بائیک کی روشنی کی چکا چوند سے بچنے کے لئے سائڈ میں رک کر ایک ہاتھ کو آنکھوں کے آگے کر لیتا ہوں۔بائیک کے گزرنے کے بعد بھی مجھے کچھ دیر رکنا پڑتا ہے۔ میں جس جگہ رکا ہوا ہوں وہاں میرے ایک پرانے دوست اور کالج کے ساتھی اکبر کا شاندار گھر ہے۔آگے ایک وسیع چبوترہ ہے۔ نیچے کار کھڑی رہتی ہے۔چبوترہ پر ایک دروازہ ہے۔ جو اکبر کے گھر کے باہری ڈرائنگ روم میں کھلتا ہے۔اسی ڈرائنگ روم کے ایک حصہ میں اکبر کا شاندار ڈبل بیڈ بچھا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ سردی کے اس موسم میں اکبر اپنے شاندار بیڈ پر نیم دراز رضائی اوڑھے کوئی ٹی وی پروگرام دیکھ رہے ہوں گے۔

میں کچھ دیر رک کر قدم بڑھاتا ہوں تو میرا پاؤں سڑک کے کنارے سے پھسل کر نالی میں چلا جاتا ہے۔خیریت ہے کہ نالی ڈھکی ہوئی ہے۔ مگر میں گر پڑتا ہوں۔ میرے پاؤں میں ہلکی سی چوٹ بھی آجاتی ہے۔دھماکہ سا سنتے ہی اکبر کے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلتا ہے اور تیز روشنی کے ساتھ ہی اکبر کے بیٹے اختر کی آواز آتی ہے ''ارے نادر چچا کیا ہوا؟''

وہ جلدی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے سہارا دے کر اٹھاتا ہے، ''کیا چچا! بھابھی اور عامر کو آپ کی عمر کا بھی لحاظ نہیں؟ دن بھر تو آپ بازار کے چکر لگاتے نظر آتے ہی ہیں مگر اس وقت۔اتنی سردی اور پھر رات کا وقت۔''

میں جلدی سے کہتا ہوں ''وہ بیٹا آج ناصر کی سال گرہ ہے نا۔''

اختر برا سا منہ بناتا ہے ''معلوم ہے۔ہمارا افسر بھی وہیں گیا ہے۔مگر باہر کا کام اس وقت تو عامر کو کر لینا چاہئے تھا۔اس کے پاس تو کار ہے۔''

میں تھوڑا سا لنگڑا رہا ہوں، اختر مجھے زبردستی سیڑھیاں چڑھا کر اپنے سجے ہوئے ایئر کنڈیشنڈ ڈرائنگ روم میں لے آتا ہے۔ٹی وی پر کوئی انگریزی پروگرام چل رہا ہے۔لمبی آرام کرسی پر اکبر نیم دراز ہیں۔ ایک نوکران کی پنڈلیوں میں کسی تیل کی مالش کر رہا ہے۔اختر انھیں بتاتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ اکبر کہتے ہیں ''دیکھتا ہوں روزانہ، صبح سے رات تک سڑک پر چکر لگاتے ہیں۔گریں گے نہیں تو اور کیا ہوگا؟''

اتنے میں اکبر کی بہو رضوانہ آجاتی ہے۔وہ ایک گلاس میں دودھ اور کوئی دوا ٹرے میں اکبر کے لئے لاتی ہے۔برابر کی ٹی پائی پر ایک ٹرے میں کئی طرح کے میوے رکھے ہیں۔ رضوانہ سیما کو برا بھلا کہنے لگتی ہے۔''سب کچھ بہو کی وجہ سے ہے۔ پڑوس کے لوگ کہتے ہیں، چچا کے ریٹائیر ہوتے ہی سیما نے نوکرانی اور نوکر کو ہٹا کر چچی اور چچا کو ان کے کام بانٹ دیئے تھے۔''

''بڑے شرم کی بات ہے عامر کے لئے۔کیا چچا نے اسے اس لئے پڑھا لکھا کر جوان کیا تھا کہ بڑھاپے میں کوئی سکھ نہ اٹھا سکیں؟ ارے ہم تو اپنے ابو کو بستر سے قدم نہیں اتارنے دیتے۔خدمت کے لئے نوکر بھی ہیں۔مگر ہم خود بھی ان کی خدمت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا یہ پوتا انور بھی آدھے گھنٹے صبح اور آدھے گھنٹے شام دادا کے ساتھ گذار سکتا ہے۔''

پھر اختر خود بیٹھ کر میرا پاؤں اور ٹخنہ دیکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں

''نہیں، نہیں بیٹا ایسی زیادہ چوٹ نہیں لگی۔''

''پھر بھی میں عامر کو منع کردوں گا کہ ایک دم صبح چچا کو دودھ اور ناشتہ کا سامان لانے ایک کلومیٹر دور نہ بھیجا کرے اور رات کو تو گھر سے قدم بھی نہ نکالنے دے۔'' رضوانہ بھی ایک سیب کی قاشیں زبردستی کھانے کو دیتی ہے۔ ''آپ ابھی جا کر عامر اور سیما سے بات کیجئے۔''

میں جلدی سے کہتا ہوں ''ارے نہیں۔ آج وہ بہت خوش ہیں، ناصر کی برتھ ڈے ہے پھر کبھی بات کر لینا۔''

وہ لوگ مجھے ایک گرم گرم کافی پلاتے ہیں۔ اور بڑی مشکل سے مجھے باہر نکلنے دیتے ہیں۔ میں سنبھل سنبھل کر مگر ذرا تیز تیز چلتا ہوا بازار کی طرف جاتا ہوں۔ مگر اکبر کے گھر کے ماحول کا تاثر ضرور میرے ذہن پر حاوی رہتا ہے۔ کتنے آرام سے ہیں وہ۔

مجھے اپنا ماضی بھی یاد آتا ہے۔ میرے والد ایک سرکاری آفیسر تھے۔ میرے آگے پیچھے نوکر تھے۔ میں زیادہ تر کار سے اسکول جاتا تھا۔ مگر میرا دل پڑھائی میں کم اور کھیلوں میں زیادہ رہتا تھا۔ والدہ گھریلو ہی پڑھی لکھی تھیں۔ انھیں تعلیم کی اہمیت نہیں معلوم تھی۔ والد اکثر ٹور پر رہتے تھے۔ نینی تال، مسوری، شملہ، کشمیر، جب جب ان جگہوں کا پروگرام ہوتا وہ والدہ کو بلا لیتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ضرور جاتا تھا۔ اس کا اثر میری تعلیم پر پڑا۔ میں والد کی طرح آفیسر نہیں بن سکا۔ ایک سرکاری آفس میں کلرک بن کر رہ گیا۔ میری شادی ایک رشتہ کی بہن نجمہ سے ہوئی۔ ان کی تعلیم بھی بہت کم تھی۔ مگر وہ بہت ذہین اور سمجھدار تھیں۔

والد کے ریٹائرمنٹ کے بعد مجھے اپنی کمی کا احساس ہوا۔ میں نے اور نجمہ نے اپنے بیٹے عامر کی تعلیم میں کمی نہیں آنے دی۔ اس لئے عامر آج ایک سرکاری انجینئر ہیں اور سیما ایک لیڈی ڈاکٹر۔ وہ لوگ ناصر کی پڑھائی کا پورا خیال رکھ رہے ہیں۔

کبھی کبھی میں سوچتا تھا کہ اگر میں بھی کوئی سرکاری افسر ہوتا یا نجمہ اسکول ٹیچر رہی ہوتی تو آج ہم دونوں کو نوکر اور نوکرانی بن کر نہ رہنا پڑ رہا ہوتا۔ نجمہ ناشتہ کے وقت سے رات کے کھانے تک باورچی خانہ سنبھالتی رہتی تھی۔ حالانکہ سیما بھی میڈیکل کالج سے لوٹ کر نجمہ کے ساتھ لگ جاتی تھی۔ مگر اس کی غیر موجودگی میں پورے گھر کی صاف ستھرائی، جھاڑو اور برتن یہ سب کام کرتے کرتے نجمہ دن بھر میں بے سدھ سی ہو جاتی تھی۔

میں دن بھر بازار کا کام کرتا۔ ناصر کی پیدائش کے بعد سے ہی اس کی دیکھ بھال نجمہ کے اور میرے سپرد رہی۔ حالانکہ ناصر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری میرے اور نجمہ کے لئے ایک بہت خوشگوار عمل ہے۔ ناصر کو بھی اپنی دادی اور اپنے دادا سے محبت نہیں بلکہ عشق ہے اور ایسا ہی ہم دونوں کو بھی اس سے عشق ہے۔

ناصر چھوٹی عمر سے ہی ذہین ہے۔ سیما اور عامر اسے ہر طرح کے گیمز لا کر دیتے ہیں۔ وہ گیند، بلا، چڑیا بلا، ہاکی کے کھیلوں میں مجھے برابر اپنے ساتھ شریک رکھتا ہے۔ مجھے اس کے ساتھ فیلڈنگ بھی کرنی پڑتی ہے۔ وہ ویڈیو گیمز بھی کھیلتا ہے۔ کارٹون فلمیں بہت شوق سے دیکھتا ہے۔ 'ٹام اینڈ جیری' سے لے کر 'چھوٹا بھیم' تک اس کی پسندیدہ کارٹون فلمیں ہیں۔ جن میں مجھے اس کا برابر کا شریک ہونا پڑتا ہے۔

ساڑھے تین سال کی عمر سے اسے پلے اسکول میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ اب تو وہ ماشاءاللہ فرسٹ میں ہے۔ صبح صبح اسے اسکول کے لئے سیما تیار کر کے میرے سپرد کرتی ہے۔ میں اسے اسکول وین میں چڑھاتا ہوں۔ پھر اس کی واپسی تک بازار کے کاموں سے نمٹ کر ناصر کی اسکول وین کی واپسی کا انتظار کرتا ہوں۔ وہ واپس آتا ہے تو نجمہ اس کے کپڑے بدلتی ہے۔ اس کے کپڑے بدلنا بھی نجمہ کے اور میرے لئے ایک پوری ایکسرسائز ہو جاتی ہے۔ پر اس سے زیادہ مشکل کام اسے کھانا کھلانا ہے۔ وقت سے کئی کئی بار دودھ پلانا۔ میوے کھلانا، میں اور نجمہ بس اس کے پیچھے پیچھے پلیٹ یا گلاس لے کر دوڑتے رہتے ہیں۔

ان سب سے فارغ ہوکر جب رات کو میں اور نجمہ بستر پر کمر ٹکاتے ہیں تو ہمیں ہوش نہیں رہتا۔ ہم دونوں کو باتیں کرنے کا موقعہ تک نہیں ملتا۔ ذہن میں صبح ہونے کا ہوّا سوار رہتا ہے۔ اور صبح ٹھیک اس وقت نیند کھل جاتی ہے جب مجھے دودھ لینے جانا ہوتا ہے۔ بہر حال ریٹائیرمنٹ کے بعد سے یہ سب زندگی کا روٹین بن چکا ہے۔

میں بازار سے آتا ہوں۔ گھر میں چہل پہل اور روشن بڑھ چکی ہے۔ میں دودھ اور کریم رول کا ڈبہ رکھنے باورچی خانے میں جاتا ہوں۔ مگر اب وہاں نجمہ نہیں نظر آتیں۔ جس کمرے میں بچے ہیں وہاں دھما چوکڑی مچی ہوئی ہے۔ میں باورچی خانے سے باہر نکلتا ہوں تو ایک بوڑھی عورت کو دوسری بوڑھی عورت سے کہتے سنتا ہوں۔ ''ارے بہن، ایسی بہو تو ہم نے کبھی نہیں دیکھی، بوڑھی ساس کو تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ ساتھ میں بیٹا بھی اپنی بیوی کا ہی ساتھ دے رہا ہے۔''

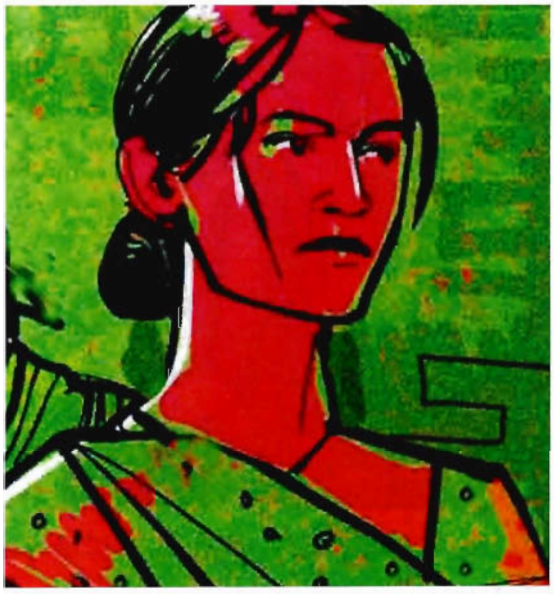

میرا دل دھڑک اٹھتا ہے۔ میں نجمہ کی ذرا سی بھی پریشانی نہیں برداشت کرسکتا میں جلدی سے بچوں کے کمرے کی طرف جاتا ہوں۔ جہاں نجمہ کو اچھی شلوار قمیص میں دیکھتا ہوں۔ وہ سیما اور اس کی سہیلیوں کے ساتھ ناچ رہی ہے۔ بہت خوش نظر آرہی ہے۔ میرا دل زور سے دھڑکتا ہے۔ کوئی عورت سیما سے کہتی ہے۔ بس بھی کرو سیما، امی بے چاری بوڑھی ہیں، تھک گئی ہوں گی۔''

عامر کہتا ہے ''ارے بھابھی خبردار ہماری امی کو بوڑھی مت کہیئے گا۔''

سیما ہنس کر کہتی ہے ''چار عورتوں کا کام سنبھالتی ہیں۔ میں تو اتنا کام کروں تو بیمار پڑ جاؤں مگر ہماری اماں کو ماشاءاللہ، اللہ تعالیٰ نے فولاد بنایا ہے۔ ہماری تو گرہستی ہی اماں اور ابا کے دم سے چل رہی ہے۔''

اتنے میں ناصر چلاّتا ہے ''آ گئے دادا! آ گئے۔''

سیما مجھے ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتی ہے اور سیما اور عامر مجھے اتنا مجبور کردیتے ہیں کہ میں بھی ناچنے لگتا ہوں۔ دوسری عورتیں اور لڑکے تالیاں بجا رہے ہیں، گانا گا رہے ہیں، سیما نے میرے بازو پکڑ رکھے ہیں میرے ساتھ ناچ رہی ہے۔ عامر نجمہ کے ساتھ ناچ رہا ہے۔ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تو دن بھر تھکا ہی نہیں تھا۔ بالکل اسی طرح تروتازہ ہوں جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھا ہوں۔ میں نجمہ کو دیکھتا ہوں، اس کے چہرے پر بھی جوانی کی سی سرخی دوڑ رہی ہے۔ تھکن کا نام ونشان تک نہیں۔

پھر تھوڑی دیر میں عامر اور سیما مجھ سے اور نجمہ سے ناصر کے ہاتھوں سے کیک کٹواتے ہیں سب سے پہلے ہم دونوں کے ہی منہ میں کیک کے ٹکڑے رکھے جاتے ہیں۔ میں بہت خوش ہوں اور یہی حال نجمہ کا بھی ہے۔ میں، نجمہ، سیما اور عامر مل کر مہمانوں کو پلیٹوں میں کھانے کی چیزیں تقسیم کرتے ہیں، سیما اور عامر دو بہت خوبصورت اور قیمتی تحفے نکال کر مہمانوں کو دیکھا کر بتاتے ہیں۔ یہ دادی اور دادا کی طرف سے ہیں۔''

عامر کا ایک دوست جمیل ہنس کر کہتا ہے ''آج تو چچی جان اور چچا جان بالکل نوجوان نظر آرہے ہیں۔''

جمیل کی بیوی رضیہ کہتی ہے ''سچ مچ دادی تو اپنے پوتے کی پھپھو لگ رہی ہیں۔'' کئی اور مہمان بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں۔

رات کو جب فنکشن سے فارغ ہوکر میں اور نجمہ بستر پر لیٹتے ہیں تو نہ جانے کیوں ہم دونوں کو ایک دم بے تحاشہ نیند نہیں آئی۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم دونوں ایک دم تازہ دم ہوں۔ وہ رات ہمیں اپنے لئے اپنے

بیٹے اور بہو کا ایک بہت قیمتی تحفہ محسوس ہوتی ہے۔

دوسرے روز حسبِ معمول ہم دونوں صبح صبح اٹھ جاتے ہیں۔ مگر اس روز ہم دونوں ہی اپنے اپنے وجود میں ایک نیا نیا سا ہلکا پن اور تازگی محسوس کرتے ہیں۔ میں صبح صبح دودھ لینے چلا جاتا ہوں۔ میرے پیچھے نجمہ باورچی خانہ سنبھال چکی ہے۔ سیما ننھے پیارے پیارے شریر ناصر کو اسکول کے لئے تیار کرتی ہے۔ اسے ناشتہ کراتی ہے۔ اس کا اسکول بیگ سنبھالتی ہے۔ میں اسے اسکول وین تک چھوڑنے جانے کے لئے تیار ہوتا ہوں۔

عین اسی وقت اکبر کے گھر سے نوکر آجاتا ہے۔ بہت گھبرایا ہوا سا بتاتا ہے ''صاحب سب لوگ چلے گئے ہیں۔ گھر میں بڑے مالک کے پاس بس میں ہوں اور ان کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔''

ہم سب چونک پڑتے ہیں سیما اور عامر کے چہروں پر تشویش کے ساتھ ہی ایسے تاثرات نظر آتے ہیں جیسے انھوں نے کوئی متوقع خبر سنی ہو۔ سیما مجھے روک دیتی ہے کہ میں ابھی ناصر کو اسکول وین تک چھوڑنے نہ جاؤں۔ ناصر کو نجمہ کے پاس چھوڑ کر سیما، عامر اور میں نوکر کے ساتھ اکبر کے گھر آتے ہیں۔ اکبر بستر پر چت لیٹے ہیں۔ ان کی سانس بہت تیز چل رہی ہے۔ پسلیاں چڑھی جا رہی ہیں۔ اسٹیتھسکوپ اور بلڈ پریشر دیکھنے کے آلات موجود ہیں۔ سیما کیونکہ خود میڈیکل میں پیتھالوجسٹ ہے وہ اکبر کا بلڈ پریشر چیک کرتی ہے۔ اور ایک دم کھڑے ہو کر عامر سے کہتی ہے ''عامر پلیز جلدی سے ایمبولینس کے لیے فون کیجئے۔ اختر بھائی اور رضوانہ کو فوراً میڈیکل پہنچنے کے لیے کہہ دیجئے۔'' پھر سیما ایک ہارٹ اسپشلسٹ ڈاکٹر کے نمبر ملانے لگتی ہے۔ اکبر صاحب کو بہت جلدی میڈیکل پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسٹریچر پر ڈال کر انھیں سیدھے سی سی یو میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ آکسیجن لگائی جاتی ہے۔ کئی ڈاکٹر اور ایک ماہر قلب انھیں چیک کرتے ہیں۔ ان کے چہروں پر تشویش کے آثار ہیں۔

میں ایمبولینس میں اکبر کے ساتھ بیٹھ کر آیا تھا۔ اب میں سی سی یو سے کچھ دور ایک شیڈ کے نیچے کھڑا ہوا ہوں۔ کچھ فاصلہ پر مجھے اختر اور رضوانہ نظر آتے ہیں۔ بہت بدحواس پریشان اور بے چین وہ کار سے اتر کر سیدھے سی سی یو کی طرف جاتے ہیں۔ اکبر ان کے باپ ہیں۔ میں ان لوگوں کی باپ کے لیے بے چینی سمجھ سکتا ہوں۔ اکبر کی صحت کے لیے دعا کرنے لگتا ہوں۔

پنسل اسکیچ: زین

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں سیما اور عامر کو دیکھتا ہوں۔ وہ ایک مشہور ماہر امراض قلب پروفیسر رنجیت کے ساتھ ہیں۔ دونوں فکر مند ہیں۔ سیما پروفیسر رنجیت سے پوچھتی ہے ''سر! اکبر چچا کے لئے کتنی امید کی جاسکتی ہے؟''

پروفیسر رنجیت فکر مند لہجہ میں کہتے ہیں ''صرف چند پرسینٹ!''

میں سناٹے میں رہ جاتا ہوں۔ سیما اور عامر کا ردعمل بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ میں سوچتا ہوں اختر اور رضوانہ نے اکبر کا کتنا خیال رکھا ہے کتنی نگہداشت کی ہے۔ کتنا آرام دیا ہے انھیں، دونوں کتنا پیار کرتے ہیں اکبر کو۔ کیا بیتے کی ان کے دلوں پر؟

سیما دبے دبے لہجہ میں کہتی ہے ''مگر ان کے علاج اور دیکھ بھال میں تو کبھی کوئی کمی نہیں آنے دی تھی ان کے بیٹے اور بہو نے۔''

پروفیسر رنجیت سنجیدگی سے کہتے ہیں ''دل کے مرض کے لیے صرف دوائیں اور تیمارداری کافی نہیں ہوتی۔ دو مہینے پہلے جب انھیں یہاں ایڈمٹ کیا گیا تھا، تب میں نے اختر اور رضوانہ کو ہدایت دی تھی کہ وہ لوگ مریض کو مارننگ واک اور ایوننگ واک ضرور کرائیں۔ ہائی بلڈ پریشر کے مریض کے لئے صبح شام چلنا پھرنا اور ہلکی ورزش ضروری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دل کے مرض کو ماحول کی بار بار تبدیلی سے بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اچھے بھلے آدمی کو ایک ہی جگہ ایک ہی بستر

پر مہینوں پڑا رہنے دیں تو وہ بیمار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ تیماردار کو سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مریض کو کبھی تنہا نہ چھوڑیں۔ دراصل ہمارے دیش کی یہ بدنصیبی ہے کہ یہاں وہی پرانے ریتی رواج اور پرمپرائیں نبھائی جاتی ہیں، بزرگوں کو ادب اور لحاظ کے لئے حد سے زیادہ اکیلا کر دیتے ہیں۔ ان کے سامنے اونچی آواز میں بولنا، ہنسنا، مذاق کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اپنی دلچسپیوں کے لئے بزرگوں کو محفلوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ ان سے کام کاج کرانا سماجی جرم سمجھ لیا جاتا ہے۔

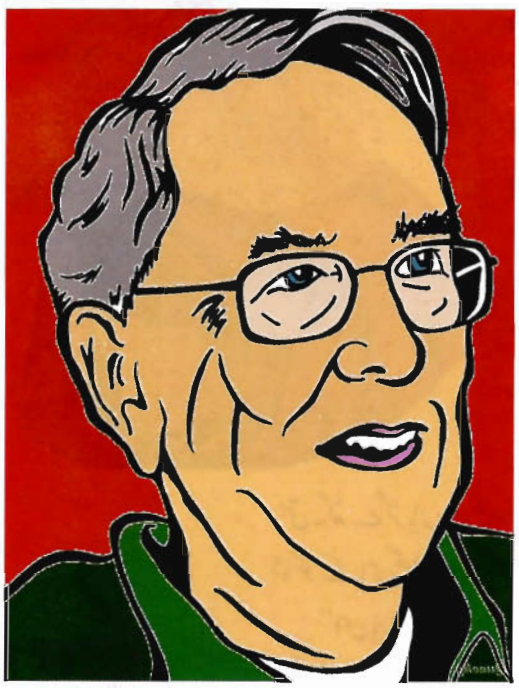

''مگر ترقی یافتہ قوموں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بڑھاپا یا ریٹائرمنٹ زندگی سے ریٹائرمنٹ کا نام نہیں ہے۔ آدمی خود کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ اسے ارد گرد کا ماحول، حالات اور قرابت داروں کا سلوک اور رویہ بوڑھا بنا دیتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کے لوگ اپنے بزرگوں کو ہر دم، ہر موقعہ پر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ ان کی مصروفیات اور ذمہ داریاں کبھی کم نہیں ہونے دیتے۔ اسی لیے ان لوگوں کی عمروں کا اوسط ہندوستانیوں سے اچھا ہوتا ہے۔

''ملازمت یا کام سے ریٹائرمنٹ کی عمر ساٹھ پینسٹھ اس لئے رکھی جاتی ہے کہ اس عمر تک آدمی اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کر چکا ہوتا ہے۔ بچوں کو پیدائش کے بعد سے پال پوس کر جوان کر کے اور تعلیم دلوا کر انھیں زندگی گزارنے کا سلیقہ اور طریقہ سکھا چکا ہوتا ہے۔ اب جن بچوں نے ایسے باپ سے یہ سب کچھ سیکھا ہے ان بچوں کو چاہئے کہ وہ اپنے باپ یا ماں یا کسی بھی بزرگ کو کام سے ریٹائر کیجئے مگر زندگی سے ریٹائرمنٹ کیجئے۔ انھیں اپنی محفلوں سے الگ مت رکھیے۔''

پروفیسر رنجیت اور بھی جانے کیا کیا کہتے رہے اور اس کے بعد آخر چلے گئے۔ سیما اور عامر کھڑے رہ جاتے ہیں۔ عامر سیما سے کہتا ہے ''اختر اور رضوانہ نے تو پروفیسر رنجیت کی ہدایت کے بالکل الٹ کیا ہے۔ ہر کام سے دور رہ کر اکبر چچا تنہائی کے قیدی کی طرح الگ تھلگ پڑے رہتے تھے۔''

سیما کہتی ہے ''وہ دونوں بے وقوف مجھے ٹوکتے تھے، کہتے تھے کہ میں نے گھر میں قدم رکھتے ہی نوکرانی اور نوکر کو نکال کر اپنے ابا اور اماں کو نوکر اور نوکرانی بنا لیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ بزرگوں کو قیدِ تنہائی دے دینا ان سے محبت نہیں کہلاتی۔ ارے آپ اور میں ابا اور امی سے جتنی محبت کرتے ہیں اتنی محبت شاید اختر اور رضوانہ بھی نہ کرتے ہوں گے، اور ہم نے ابا امی کو جو ماحول، حالات اور سلوک دیا ہے اس کا نتیجہ دیکھ لو۔ کون کہے گا کہ ہمارے ابا یا امی بوڑھے اور ناکارہ ہو گئے ہیں۔ اس عمر میں بھی وہ ہم دونوں سے زیادہ Active، چست اور پھرتیلے ہیں۔''

میں چپ چاپ ان دونوں کی باتیں سن رہا ہوں، اور آج میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ مجھے اور نجمہ کو ہمارے بہو بیٹے نے واقعی اس عمر میں جو جوانی سے بھرپور زندگی دی ہے، باپ اور ماں کے لیے اولاد کا اس سے بڑا اور عظیم تحفہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نجمہ کی اور اپنی تندرستی اور توانائی کا احساس کرتا ہوں۔ پھر اکبر کا وجود تصور میں گھوم جاتا ہے۔ میری آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ نجمہ کے اور اپنے لیے خدا کا شکر بن کر اور اکبر کے لیے دعا بن کر۔ □

♦ عارف، مارہروی، معرفت فیصل عارف البرکات انوپ شہر روڈ علیگڑھ یوپی 202002

□ حمیرا عالیہ

فرام سانتا کلاز...

روز کے ڈیڈ، ہارٹ بریک کنگ ریسٹورینٹ کے مالک تھے اور مام ایک بوتیک چلاتی تھیں۔ لیک پورٹ، شکاگو میں اس کا بے حد خوبصورت سا ایک گھر تھا، وہ خود شہر کے سب سے مہنگے اسکول میں پڑھتی تھے لیکن نہ جانے کیوں 12 سال کی اور اروز اس بار کرسمس کے آنے سے قبل اداس تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی پیاری دوست شائلو سے خوشیاں روٹھ گئی تھیں۔

ویسے تو شائلو اس سے ایک سال چھوٹی ہی تھی لیکن اس کی اور روز کی گہری دوستی تھی۔ شائلو کے پاپا اس کے ڈیڈ کے ہی ریسٹورینٹ میں ہیڈ شیف تھے اور ماں ایک سیدھی سادی گھریلو عورت۔ شائلو روز کے ساتھ ہی اسکول جاتی تھی، لیکن اب سب کچھ بدل گیا تھا۔ پچھلے سال ایک روڈ ایکسڈینٹ میں شائلو کے پاپا کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ فیس جمع نہ کر سکنے کی وجہ سے دو مہینوں کے بعد اس کا نام خارج کر دیا گیا تھا۔ اب شائلو کی ماں ڈاکٹر ولسن کے معذور بیٹے کی دیکھ بھال کرتی تھیں جس سے انہیں کچھ آمدنی ہو جاتی تھی۔ سردیوں میں شائلو گھروں کے سامنے جمی برف صاف کرتی یا پھر کبھی پھول بیچتی اور اپنی ماں کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی۔ اب روز اسکول سے آنے کے بعد بور ہوتی رہتی۔ گڈے گڑیاں اور کمپیوٹر گیمز کب تک من بہلاتے لیکن اب شائلو کے پاس کھیلنے کا وقت نہیں تھا۔

''اس بار شاید کرسمس میں بالکل مزہ نہ آئے'' روز نے کھڑکی سے باہر گرتی سفید برف کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''کتنا انجوائے کرتے تھے کرسمس کی رات کو ہم دونوں''۔

''نئے کپڑوں، کرسمس کیک، گھر کی سجاوٹ اور ایک خوبصورت کرسمس ٹری کے لیے کتنے زیادہ پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور شائلو کی ممی تو پہلے سے ہی'' اسے رونا آنے لگا۔

''کرسمس میں سب کو خوش رہنا چاہئے'' اسے ٹیچر کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی ''مجھے شائلو کی ہیلپ کرنی چاہئے'' اس کے ننھے سے دل نے سوچا، ''لیکن کیسے؟''

اگلے دن اتوار تھا۔ مام اسے لے کر مسز مائیکل کے گھر ملنے گئیں، لیکن ان کے گھر پہنچ کر وہ حیران رہ گئیں۔ ان کے کپڑے اور

بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ بہت پریشان اور تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔

''تمہیں کیا ہوا ایلز بیتھ؟ سب ٹھیک تو ہے نا!'' مام نے ان سے پوچھا تو انہوں بتایا کہ ان کا پالتو کتا ملازموں سے سنبھلتا نہیں، اور آفس سے آنے کے بعد اس کا نخرہ اٹھانے میں وہ کافی تھک جاتی ہیں۔ کچھ دیر گپ شپ کرنے کے بعد مام اور روز واپس آ گئیں۔

گھر آ کر روز کافی دیر تک کچھ سوچتی رہی، پھر اچانک اسے ایک ترکیب سوجھی وہ دوڑ کر مام کے پاس گئی اور ان سے پوری بات بتائی، ''لیکن کیا شائلو یہ کر سکے گی؟'' مام نے پوچھا۔

''ہاں مام اس کے اندر ایک جادو ہے۔ سبھی جانور اس سے بہت جلدی مانوس ہو جاتے ہیں'' روز نے کہا۔

دوسرے دن آنٹی ایلز بیتھ اپنا کتا لے کر شائلو کے گھر پہنچ گئیں ''اگر تم اس کی اچھی دیکھ بھال کرو گی تو میں اپنے پڑوسیوں سے بھی کہہ دوں گی کہ وہ اپنے پالتو جانور تمہارے پاس بھیج دیا کریں۔'' یہ کہہ کر آنٹی ایلز بتھ چلی گئیں۔

شائلو خوش ہو گئی۔ اسے جانوروں سے بے حد پیار تھا۔ یہ کام اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ اور پھر صرف ایک ہفتہ کے اندر شائلو کے پاس تیرہ لوگوں نے اپنے پالتو جانور بھیجے۔ اس کا لان ہر طرح کے جانوروں سے بھر جاتا تھا، کتے، بلی، خرگوش، اور دو کچھوے بھی۔ اب اس کی ممی نے بھی ڈاکٹر ولسن کے گھر کی نوکری چھوڑ دی۔ دونوں ماں بیٹی مل کر سب کی دیکھ بھال کرتیں، انہیں وقت پہ کھانا دیتیں، انہیں نہلاتیں اور دوسرے کام، بدلے میں اچھی آمدنی۔ کرسمس سے پہلے شائلو اور اس کی ممی روز کے گھر آئیں۔ وہ بہت احسان مند ہو رہیں تھیں۔ ''آپ نے بہت اچھی جاب دی وہ بھی گھر بیٹھے۔'' شائلو کی ممی نے کہا۔

''اس کا سارا کریڈٹ روز کو جاتا

ہے۔ ''مام مسکرائیں۔روز بہت خوش تھی کہ اس نے اپنی سہیلی کی مدد کی۔

''مام!کیا میں نے اچھا کام کیا ہے؟'' رات کو سونے سے پہلے روز نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا !تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔''مام نے اس کا تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے پیار سے کہا۔

''مام ! کیا Santa کو پتہ چلا ہوگا؟''اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں بالکل ان کو تو سب پتہ ہوتا ہے''۔

''مام! کیا وہ خوش ہوئے ہوں گے؟''اس نے اگلا سوال کیا۔

''ہاں بیٹا ضرور''۔انہوں نے اسے کمبل اڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

''تو مجھے پتہ کیسے چلے گا کہ وہ خوش ہوئے۔''اسے بے چینی ہورہی تھی۔

''جب وہ خوش ہوں گے تو تمہیں خود بہ خود پتہ چل جائے گا'' انہوں نے اس کی پیشانی چومی اور لائٹ آف کردی۔

ہر سال کی طرح دونوں سہیلیوں نے اس بار بھی خوب دھوم دھام سے کرسمس منایا،اب بس جلدی سے صبح ہو تو کرسمس گفٹ کھولیں۔

صبح ہوتے ہی روز سب سے پہلے اٹھ گئی۔ابھی سارے گفٹ کھولنے تھے۔پتہ نہیں کیا کیا ہوگا۔کاش کسی نے گلابی پروں والی باربی ڈول گفٹ کی ہو جو پچھلے ہفتے کارٹون میں دیکھی تھی۔لیکن مام تو کہتی ہیں کہ وہ دکانوں میں نہیں ملتی صرف کارٹون میں ہوتی ہے۔یہی سوچتے ہوئے وہ بستر سے اتری،سلیپر پہنے اور کھڑکی کے پردے ہٹا کر لان کی طرف دیکھا تو چونک گئی۔باہر سجائے ہوئے کرسمس ٹری کے نیچے سنہرے رنگ کا بڑا سا گفٹ پیک رکھا ہوا تھا۔

''مام،ڈیڈ''وہ اسے اٹھا کر اندر لے آئی،''آپ میں سے کس نے دیا ہے مجھے یہ...''وہ خوشی سے چلائی۔لیکن یہ کیا؟ دونوں نے انکار کردیا۔تو پھر کیا شائلو...لیکن نہیں اس کے جتنے جاننے والوں نے گفٹ دیے تھے وہ سب تو اندر ٹیبل پر رکھے تھے،مام ڈیڈ ،شائلو،آنٹی ایلزبیتھ،فادر جیکب...تو پھر یہ کس کی طرف سے ہے؟؟مام،ڈیڈ بھی حیران تھے۔

روز نے دھیرے سے سنہرا ریپر الگ کیا تو خوشی سے حیران رہ گئی۔اندر گلابی پروں والی بڑی سی باربی ڈول تھی،ساتھ ہی دل کی شکل کا ایک کارڈ بھی تھا۔

روز نے دھیرے سے اسے کھولا،ایک خوبصورت سے کرسمس ٹری کے نیچے چمکتے سنہرے الفاظ میں لکھا تھا:

''رحم دل اور اروز کے لیے۔''

نیچے کونے میں لکھا تھا:

''FROM SANTA CLAUS''

اور روز کو یقین ہوگیا کہ سانتا اس سے بے حد خوش ہے۔

مام بھی مسکرا رہی تھیں!□

♦ حمیرہ عالیہ معرفت علاالدین ندوی پوسٹ بکس 93 ٹیگور مارگ لکھنؤ 226007

□ اوم بنسل

مذہب نہیں سکھاتا...

اللہ دیا خاں صاحب کے بیٹے نورا اور میرے دادا لالہ ہیرا لال کی دوکانیں آمنے سامنے تھیں۔ خاں صاحب ایک معمولی کسان اور میرے دادا کپڑے کے بیوپاری۔ دونوں اپنے دین کے پکّے۔ خاں صاحب پکے نمازی اور میرے دادا دونوں وقت کی پوجا کے پابند۔ دونوں میں خوب چھنتی۔ دونوں پریوار شاکاہاری یعنی سبزی خور تھے۔ دونوں ہی مل کر عید، ہولی، دیوالی مناتے۔ عید کے روز شیرینی، سوئیاں کھانے کو ملتیں اور جنم اشٹمی پر مال پوئے اور کیسر۔ اسی طرح دیوالی پر مٹھائیاں، کھیل بتاشے اور آتش بازی کے پٹاخے۔ دادی امّاں مجھے عیدی دینا نہ بھولتیں۔ سب ہی بڑے سادہ لوح اور دل دماغ کے پاک انسان تھے۔

میری عمر تقریباً چار سال ہوگی۔ مجھے سب اومی کہہ کر بلاتے تھے۔ خاں صاحب کی پوتی میری ہم عمر تھی۔ اُسے سلمٰی یا سلو کہتے تھے۔ خاں صاحب کی بیوی (دادی امّاں) مجھے گودی میں اٹھا کر یا انگلی پکڑ کر اپنے گھر لے جاتیں۔ میں وہاں پر سلو کے ساتھ خوب کھیلتا۔ ان کے گھر صحن میں چکر چونڈا تھا جسے آج کل سی سا Seesaw کہتے ہیں۔ ہم دونوں اس پر بیٹھ کر گھومتے۔ اوپر نیچے آتے۔ گڈا گڈی کا کھیل کھیلتے۔ خوب ہنستے۔ شرارتیں کرتے۔ جب بھوک لگتی میں دادی اماں سے کہتا۔ وہ روٹی پر لال مرچوں کی چٹنی اور گھی لگا کر موڑ دیتیں اور سموسا بنا کر دیتیں۔ کبھی میں اسے دانتوں سے کاٹتا اور کبھی سلو۔ سلمٰی بھی میرے گھر روز آتی۔ میری بوا اس سے خوب کھیلتی۔ میری دادی اپنے ہاتھوں سے سلمٰی کو دودھ پلاتی۔ کھانا کھلاتی۔ ہم دونوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ میرا گھر میرا ہے اور سلو کا گھر سلو کا۔ میں اور وہ دونوں ان گھروں کو اپنا جانتے تھے۔ نہ وقت کی پابندی نہ کسی کا ڈر۔ جب جی چاہا ایک دوسرے کے گھر چلے آئیں۔ دونوں کنبوں میں کبھی کوئی ایسی بات نہ ہوتی کہ تلخی پیدا ہو۔ ہم دونوں کے درمیان جو محبت تھی اس کے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ بھائی بہن کا پیار تھا۔ یا دو ہم عمر بچوں کی محبت۔ یا دو فرشتوں کی قربت۔

چار سال گزر گئے۔ ہم معصوموں کو پتہ ہی نہیں لگا کہ یہ عرصہ کیسے گزر گیا۔ لیکن ایک دن اچانک میری دادی نے مجھے سلمٰی کے گھر جانے سے روک دیا۔

دل کو بڑی ٹھیس لگی۔

اس روز کے بعد سلمٰی کبھی ہمارے گھر نہیں آئی۔

مجھے معلوم نہیں اس کی کیا وجہ تھی۔ بس اتنا پتہ لگا کہ کل سڑکوں پر زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگے تھے۔ □

♦ ڈاکٹر او پی بنسل، سنجے ڈائیگنوسٹک سینٹر، پیپو واچوک، انبالہ روڈ، کیتھل، ہریانہ

کہانی

محمد اطہر مسعود خاں

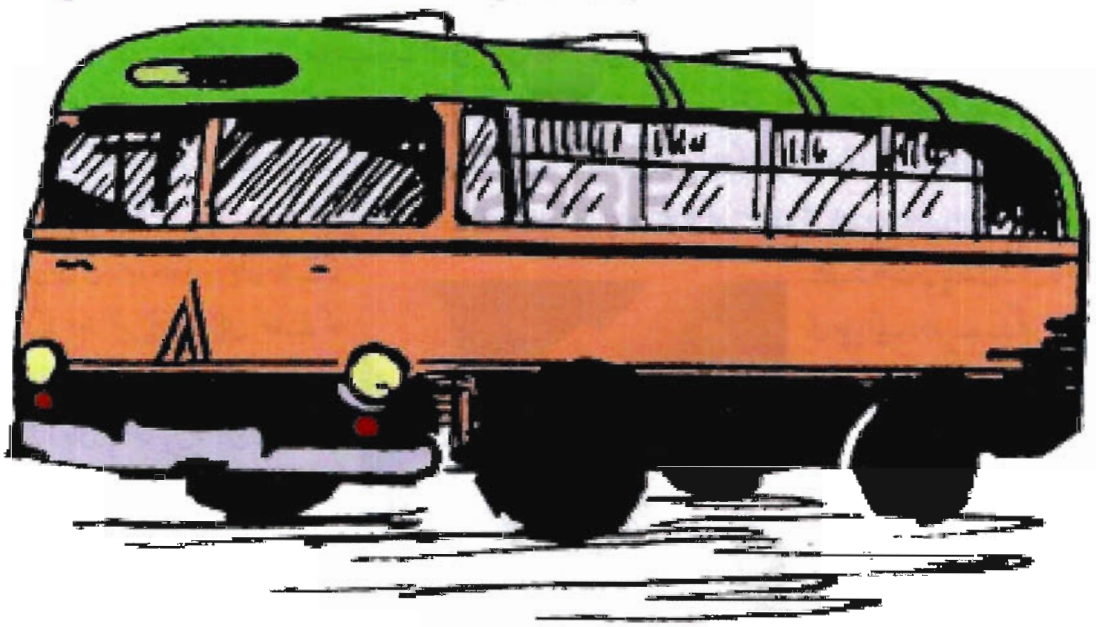

سچا تیرتھ

''روک لو، یہیں روک لو، گاڑی'' کنڈکٹر نے سیٹی ماری اور زور سے آواز دے کر ڈرائیور سے کہا ''بس کی اس خراب حالت میں ہم اور آگے نہیں جا سکتے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا ''لگتا ہے انجن کچھ زیادہ ہی گرم ہو گیا ہے۔ گاڑی میں آگے لگنے کا خطرہ ہے۔''

بس، جو پہلے ہی کئی کلو میٹر سے دھکوں اور جھٹکوں کے ساتھ رینگتی ہوئی، گاڑھا اور گہرا کالا دھواں چھوڑتی آگے بڑھ رہی تھی، ڈرائیور کے بریک لگاتے ہی رک گئی۔

بس رکنے سے مسافر ہکا بکا رہ گئے۔ سرد ٹھٹھرتی رات، بارہ بجے کا وقت، ہو کا عالم، دور دور پھیلا سناٹا، ٹھنڈ سے کانپتی پورے چاند کی روشنی، آس پاس آدم نہ آدم زاد، گاؤں کے آوارہ کتوں کے رونے کی آواز، پاس کے کھیتوں میں گیدڑوں کی کریہہ اور ڈراؤنی چیخیں اور ایسے میں بیچ راستے پر کھڑی ایک بس!

سارے مسافر سمجھ گئے کہ آج یہاں لوٹ کی زبردست واردات ہونی ہے۔ انھیں خدشہ نہیں بلکہ یقین تھا کہ ابھی آس پاس کے گاؤں سے ڈاکو لاٹھیاں اور ہتھیار لے کر آئیں گے اور لوٹ مار شروع کر دیں

گے۔ جس سے یقیناً کچھ لوگوں کی جان بھی چلی جائے گی۔ یہ مسافر ایک مذہبی مقام کی زیارت کے لیے نکلے تھے۔ ان تیرتھ یاتراؤں میں زیادہ تر ادھیڑ عمر کے اور بزرگ لوگ تھے۔ البتہ نوجوان لڑکوں کی تعداد بھی دس بارہ کے قریب تھی۔ ایک پنڈت جی بھی تھے جو اپنی دھرم پتنی اور دو چھوٹے بچوں کے ساتھ اس یاترا پر نکلے تھے۔

اسی درمیان ڈرائیور اور کنڈکٹر بس سے نیچے اتر کر آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے۔ پھر ڈرائیور نے مسافروں کے پاس کہا کہ آپ لوگ دیکھ ہی رہے تھے کہ بس ہمیں کافی دیر سے پریشان کر رہی تھی اور اب اس کے انجن میں اس قدر خرابی ہو چکی ہے کہ فی الحال یہ اور آگے نہیں جا سکتی۔ یہ سن کر سارے لوگوں میں ایک شور مچ گیا اور اس شور میں کسی کی سمجھ میں یہ نہ آسکا کہ ڈرائیور آگے اور کیا کہہ رہا ہے۔ اتنے میں بس کے پیچھے موٹی رسی سے بندھی اپنی سائیکل کنڈکٹر نے کھولی اور تیزی سے ایک طرف بڑھ کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔

یہ واقعہ برسوں پہلے اس وقت کا ہے جب موبائل جیسی کسی چیز کا نام بھی لوگوں نے نہیں سنا تھا بلکہ موبائل کی ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کسی مسافروں کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ اس مصیبت اور پریشانی کی گھڑی میں اپنی بات کسی طرح بولیں، یا اسٹیشن کے کسی اسٹاپ تک پہنچا جا سکیں یا اپنے کسی عزیز کو مدد کے لیے بلا لیں۔ ویسے بھی اس روٹ کی یہ آخری بس تھی اور صبح تک کسی بھی بس کے ادھر سے گزرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

بس مسافروں سے بھری ہوئی تھی اور اب ان مسافروں میں بے چینی اور پریشانی بڑھ گئی تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ بس کی خرابی کا بہانہ کر کے ڈرائیور اور کنڈکٹر نے جان بوجھ کر انھیں یہاں روکا ہے۔ بس میں بیٹھے لوگوں میں طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا اس راستے پر اکثر ڈکیتی پڑتی ہے۔ لوگوں کا مال بھی لوٹا جاتا ہے اور بیدردی سے ان کی پٹائی بھی کی جاتی ہے۔ تھوڑا پڑھا لکھا نظر آنے والا ایک نوجوان کہہ رہا تھا کہ چار دن پہلے بھی یہاں لوٹ ہوئی تھی۔ خود میں نے یہ خبر کئی لوگوں سے سنی تھی اور اخبار میں بھی پڑھی تھی۔ دو چھوٹے بچوں کی وجہ سے پنڈت جی کی پریشانی اوروں سے بھی زیادہ تھی۔ ایک طرف جان و مال کا ڈر تھا تو دوسری طرف بچے پانی پینے اور کچھ کھانے کے لیے رو رہے تھے۔ پنڈت جی نے تیرتھ پر نکلنے سے پہلے، انتظام تو سب چیزوں کا کیا تھا لیکن چلتے وقت جلدی جلدی میں وہ پانی کا لوٹا اور ناشتے کی پوٹلی وغیرہ گھر پر ہی بھول آئے تھے۔ بچے رو رو ہے تھے اور پانی کا دور دور تک نام و نشان نظر نہ آتا تھا۔ ایسے میں وہ بچوں کو ڈانٹیں، چمکاریں، انھیں پیار کریں، سمجھائیں یا کیا کریں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ مصیبت اور خوف نے دل و دماغ کو سوچنے کی صلاحیت سے بالکل محروم کر دیا تھا۔ ایسے میں بس سے باہر نکلنا اور اندازہ کر کے نئی جگہ پر بھٹکنا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

اسی بیچ کچھ لوگوں نے پلان بنایا کہ ڈرائیور کو پکڑ کر اسے مارا پیٹا جائے۔ لوگوں نے اسے گھیر بھی لیا۔ ڈرائیور کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور موت کا خوف اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگا۔ وہ بار بار لوگوں سے کہتا، گڑگڑاتا اور انھیں سمجھاتا کہ کنڈکٹر ڈاکوؤں کو نہیں بلکہ کسی مکینک کو لینے گیا ہے تاکہ بس کو ٹھیک کرا کے ہم لوگ آگے چلیں۔ اسی بیچ لوگوں نے اس کا اور کنڈکٹر کا نام بھی پوچھ لیا۔ پتہ چلا کہ ڈرائیور کا نام عبدل اور کنڈکٹر کا نام دلاور ہے۔ اب ان کا نام سن کر تو لوگ اور بھی پریشان ہو گئے، حالانکہ عام طور سے مسافروں کو ڈرائیور اور کنڈکٹر کے نام وغیرہ سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کیونکہ ان کا مقصد تو صرف ایک ہی ہوتا ہے کہ جلد از جلد اور

سہولت سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں لیکن اسی نازک صورت حال میں اور سنسان اور ویرانے میں بس کے اچانک رکنے کی وجہ سے لوگ ڈرائیور کی اس بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ بس واقعی خراب ہوگئی ہے اور دلاور یعنی کنڈکٹر بس کی مرمت کے لیے کسی مکینک کو لینے گیا ہے۔ انھیں تو خدشہ بلکہ یقین تھا کہ بس اب ڈاکو آنے ہی والے ہیں۔

ڈرائیور باری باری سارے مسافروں کی طرف خوف بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ شاید کسی شخص کی دو آنکھوں میں اس کے لیے ہمدردی ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پنڈت جی سے کہا کہ آپ ہی میری مدد کیجئے۔ آپ کے بچوں کی طرح میرے بچے بھی گھر پر پریشان ہوں گے لیکن ڈر، خوف اور خدشہ تو پنڈت جی کے دل میں بھی سمایا ہوا تھا۔ وہ شدید الجھن میں تھے۔ موت کا خوف، سامان لوٹے جانے کا ڈر، ڈرائیور کی لجاجت، اس کے معصوم بچوں کی چاہت، بیوی کے چھلکتے آنسو اور ان سب پر اپنے بچوں کے، پانی کے لیے روتے روتے نڈھال چہرے، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس نازک وقت میں وہ کیا کریں۔ لوگوں کو سمجھائیں، لڑکوں کو روکیں، خود کو سنبھالیں، مال کو بچائیں یا اپنے دھرم کے اچھے اصولوں کا پالن کرتے ہوئے ایک مسلمان ڈرائیور عبدل کو مار پیٹ سے بچائیں اور اس کی جان کی ضمانت لیں۔ فیصلہ مشکل تھا لیکن انھوں نے وہی کیا جو ان کے دل اور ضمیر اور انسانیت کی آواز تھی۔ کچھ بھی ہو میں عبدل کی خود حفاظت کروں گا، کیونکہ مظلوم کی حفاظت اور حمایت کرنا ہی سب سے بڑا دھرم اور سب سے اچھا کام ہے۔

پنڈت جی نے ڈرائیور کی سراسیمگی کو دیکھتے ہوئے لوگوں کو سمجھایا کہ خبردار جب تک حقیقت سامنے نہ آئے اس کے ساتھ ہرگز مار پیٹ نہ کرو۔ لیکن سارے مسافر اتنے پریشان اور اس قدر غصے میں تھے کہ وہ کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ خاص کر نوجوانوں کا جوش تو انھیں اور بھی ہوش کھونے پر مجبور کر رہا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی کو بھی ڈرائیور کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ یہ سب ایک سازش کے تحت کیا جا رہا ہے۔ ڈرائیور عبدل سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے دھوکے سے ہمیں ویرانے میں لا کھڑا کیا ہے۔ آس پاس کیا ہے؟ سب طرف یا تو پیڑ ہیں یا دور دور تک کھیت ہیں۔ اس نے کنڈکٹر کو بس کی خرابی کا بہانہ کر کے ڈاکوؤں کو لینے بھیج دیا ہے۔

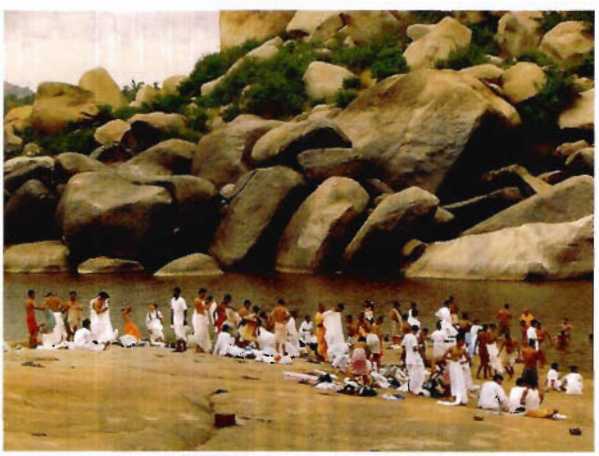

لیکن اس نازک موقع پر بھی اور خود کے ڈر اور خوف کے باوجود پنڈت جی نے اپنے لوگوں سے عبدل کو مار پیٹ سے بچالیا البتہ ان نوجوانوں نے ڈرائیور عبدل کو اپنے گھیرے میں ضرور لے لیا کہ اگر ہمیں اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا تو سب سے پہلے ہم ڈرائیور کو ہی ہلاک کر ڈالیں گے۔

بے چینی میں ڈوبی اس صورت حال کو دو گھنٹے سے زیادہ بیت چکے تھے۔ دونوں بچے بھوک پیاس سے نڈھال تھے اور انھوں نے رو رو کر بس کو سر پر اٹھالیا تھا۔ ان کی ماں کی حالت بھی بری تھی۔ ڈرائیور کو گھیرے میں لیے لوگ بس سے اتر چکے تھے۔ پنڈت جی کے دل میں اگرچہ ڈرائیور کے لیے ہمدردی ضرور تھی۔ لیکن سارے مسافر یہی سمجھ رہے تھے کہ پنڈت جی یہ دکھاوا محض اپنے بچوں کی خاطر کر رہے ہیں کہ کوئی مصیبت آئے تو ان کے بچے محفوظ رہیں۔

اسی الجھن میں اچانک دور سے ایک تیز روشنی نزدیک آتی دکھائی دی۔ سب لوگ سانس روکے کھڑے تھے۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ سب کو اپنی موت بہت قریب نظر آرہی تھی۔ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ

روشنی کسی گاڑی کی ہے اور اس گاڑی میں یقیناً ڈاکو ہیں جو آتے ہی سب کو گولیوں سے بھون دیں گے۔ روشنی کچھ اور نزدیک آئی تو پتہ چلا کہ یہ تو ایک بس ہے اور اس میں ان کی بس کا کنڈکٹر دلاور بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ ڈاکوؤں کی رہنمائی کر رہا ہے اور ڈاکو سیٹوں کے نیچے چھپے بیٹھے ہیں۔

بس قریب آکر رک گئی اور اس میں سے پہلی بس کا کنڈکٹر دلاور ہنستا ہوا باہر آیا، ادھر پہلی بس کے نوجوان مسافر، ڈرائیور عبدل کو گھیرے کھڑے تھے۔ وہ پہلے ہی تنبیہ کر چکے تھے کہ کچھ بھی گڑبڑ ہونے پر ڈرائیور کو ختم کر دیں گے۔ پھر چاہے انجام جو بھی ہو۔ کنڈکٹر نے بس سے اترتے ہی بڑی خوشی اور نہایت جوش کے ساتھ لوگوں کو بتایا کہ میں یہاں سے کسی مکینک کی تلاش میں نکلا تھا کہ وہ آکر ہماری بس کی خرابی کو دور کر دے، لیکن بڑی بھاگ دوڑ اور کوشش کے باوجود اور مکینک نہ ملنے کی صورت میں، میں سائیکل سے ہی چودہ پندرہ کلومیٹر دور اگلے بس اسٹینڈ پر گیا اور وہاں سے آپ لوگوں کے لیے اچھی حالت کی ایک بس لے کر آیا ہوں۔''

یہ سن کر نوجوان مسافروں کے ڈرائیور پر اٹھے ہوئے ہاتھ شرمندگی اور ندامت کے ساتھ نیچے آگئے۔ کنڈکٹر نے بڑے جوش کے ساتھ پنڈت جی کی طرف دیکھا اور بولا ''میں آپ کے بچوں کے لیے صراحی میں پانی بھی لے کر آیا ہوں۔ میں نے شروع میں ہی دیکھ لیا تھا کہ آپ کھانا پانی وغیرہ لے کر نہیں آئے تھے اور میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت یہ بچے بھوک پیاس کی وجہ سے بہت بے چین ہوں گے۔'' اس نے پیار سے بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''وہیں ہوٹل پر تھوڑا سا دودھ بھی مل گیا اور یہ بسکٹ اور پاپے بھی۔ اس لیے میں نے جلدی جلدی یہ چیزیں بھی خرید لیں۔''

اس موقع پر پنڈت جی بڑے جذباتی ہو گئے تھے۔ خوشی سے ان کی آنکھیں چھلک آئی تھیں۔ انھیں یقین نہ ہوتا تھا کہ آج دنیا سے انسانیت اور محبت بالکل ہی ختم نہیں ہو گئی ہے۔ لیکن اسی بیچ عبدل ڈرائیور بھی لپک کر کنڈکٹر دلاور کے پاس آگیا اور بولا ''دلاور! آج ہماری بس میں پنڈت جی جیسے نیک سیرت شخص نہ ہوتے تو شاید یہ نوجوان مجھے بہت مارتے۔ پنڈت جی نے ہی ان سب لوگوں کو روکا کہ یہ مجھے نہ ماریں۔ انھوں نے اپنی بیوی اور بلکتے ہوئے بچوں کی پروا کیے بغیر دو تین گھنٹے بس صرف میری ہی فکر رکھی۔'' ڈرائیور نے سارے لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی: ''لیکن میں پھر سارے مسافروں سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو کئی گھنٹے اس قدر پریشانی اٹھانی پڑی۔ آپ سارے لوگ ایک پاک سفر پر اپنی پوتر تیرتھ یاترا پر نکلے ہیں۔ اگر ہماری بس خراب نہ ہوتی تو ہم اپنی منزل پر صبح ہونے سے کچھ پہلے پہنچ چکے ہوتے، پھر بھی ہماری دعا ہے کہ آپ کا سارا سفر بہت مبارک اور خوشیوں بھرا ہو۔''

سارے نوجوان اور دوسرے بزرگ مسافر ڈرائیور اور کنڈکٹر کی تعریف کر رہے تھے کہ اس بیچ پنڈت جی کی پیار بھری آواز گونجی، ''آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم سب ایک پوتر پوجا استھل کی یاترا کے لیے نکلے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہماری یاترا تو اپنے پوتر استھل پر پہنچنے سے پہلے ہی کامیاب ہو گئی اور مکمل بھی۔ کیونکہ انسانیت کی پہچان ہی ہماری سب سے بڑی اور سچھل یاترا ہے اور دوسروں کے ساتھ محبت و ہمدردی سے پیش آنا سب سے بڑی نیکی۔'' □

♦ ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں غوث منزل تالاب ملا ارم رام پور یوپی 244901

طٰہٰ نسیم

شیر کا علاج

کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ اس کی پورے جنگل میں حکومت تھی اور وہ جنگل بہت بڑا تھا۔ صبح سے رات تک شیر جنگل کے معاملات میں اس قدر مصروف رہتا کہ اسے کھانے کی فرصت بھی نہیں ملتی۔ آخر کار اس نے کام کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ایک وزیر اعظم مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ کسی ایسے جانور کو یہ عہدہ دینا چاہتا تھا جو طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ چالاک بھی ہو۔

اس نے ہاتھی کو بلایا لیکن ہاتھی نے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ اسے اپنے خاندان کے ساتھ دور دراز کے علاقوں میں سفر کرنا پڑتا ہے اس لئے وہ یہ خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد شیر نے گینڈے کو بلایا اور اسے وزیر اعظم کا عہدہ پیش کیا۔ گینڈے نے جواب دیا کہ میری نظر بہت کمزور ہے اور شام کو تو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اس لئے یہ عہدہ قبول کرنے سے معذور ہوں۔

ان سب کے بعد باری تھی اژدہے کی وہ اٹھارہ فٹ لمبا تھا اور اس قدر طاقتور تھا کہ ہرن جیسے جانوروں کو بھی اپنی کنڈلی میں لپیٹ کر ہڈیوں کا چورہ بنا دیتا تھا۔ وہ چالاک اور پھرتیلا بھی تھا۔ اس نے شیر کی پیش کش قبول کرلی اور وزیر اعظم بن گیا۔ جنگل کے سبھی جانور پہلے ہی اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ وزیر اعظم بننے کے بعد تو اس کا رعب اور بڑھ گیا۔ تھوڑے دن اس نے ٹھیک طرح کام کیا۔ اس کے بعد جانوروں پر ظلم ڈھانے شروع کردیئے۔ وہ جسے چاہتا مار کر کھا جاتا۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ سبھی جانور شیر سے اس کی شکایت کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ایک دن شیر نے نئے وزیر اعظم کی کارکردگی

اور اس کے بارے میں عوام کی رائے جاننے کے لیے عام اجلاس طلب کیا۔ سبھی جانور اس میں شرکت کرنے آئے لیکن خرگوش نہیں آیا۔ اجلاس میں خرگوش کو نہ پا کر شیر بہت ناراض ہوا اور اس نے اس کی غیر حاضری کا سبب پوچھا۔

جانوروں نے بتایا کہ خرگوش بغیر کچھ بتائے کہیں چلا گیا ہے۔ وہ کہاں ہے کسی کو پتہ نہیں۔

اگلے دن خرگوش شیر کے دربار پہنچا تو شیر نے اجلاس سے اس کی غیر حاضری کا سبب جاننا چاہا۔ خرگوش نے فکرمند ہوتے ہوئے جواب دیا۔ ''حضور! جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔'' شیر نے اجازت دے دی۔ خرگوش نے بتایا کہ آپ اب بوڑھے ہو رہے ہیں۔ کام سے جلدی تھک جانا تشویش کی بات ہے۔ میں پرسوں دوسرے جنگل اپنے رشتے دار کے یہاں جا رہا تھا تو راستے میں مجھے ایک بوڑھے حکیم ملے۔ میں نے انہیں آپ کی کمزوری اور بڑھاپے کے بارے میں بتایا تو انہوں نے پورا حال سن کر بڑے غور و فکر کے بعد آپ کے لیے ایک نسخہ تجویز کیا۔

شیر نے گرج کر کہا ''کیا ہے وہ نسخہ ہمیں فوراً بتاؤ۔''

خرگوش نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا ''حضور! اگر میں نے یہ نسخہ بتایا تو کیا آپ سچ مچ اس پر عمل کریں گے؟''

شیر نے کہا ''گھبراؤ نہیں خرگوش، تم ہمارے وفادار ساتھی ہو اور ہم جانتے ہیں کہ تم ہمیں جو کچھ بتاؤ گے وہ ہماری بھلائی کے لئے ہی ہوگا۔''

خرگوش نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے شیر سے کہا ''تو حضور! حکیم صاحب نے مجھے بتایا کہ تمہارے بادشاہ کسی موٹے تازے اژدہے کی کھال اتروا کر اس کی ٹوپی بنوالیں اور اسے پہنا کریں تو اس مرض سے انھیں نجات مل جائے گی۔

خرگوش کی بات سنتے ہی جنگل میں سناٹا چھا گیا۔ عام اجلاس میں بیٹھے سبھی جانور وزیر اعظم اژدہے کی طرف دیکھنے لگے۔

اژدہا بری طرح ڈر گیا اور اس نے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔ جانور اسے پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن وہ جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ اس دن کے بعد اژدہا کبھی جنگل میں نظر نہیں آیا۔ خرگوش نے اپنی سمجھ داری سے جانوروں کو اس کے ظلم سے بچا لیا۔ □

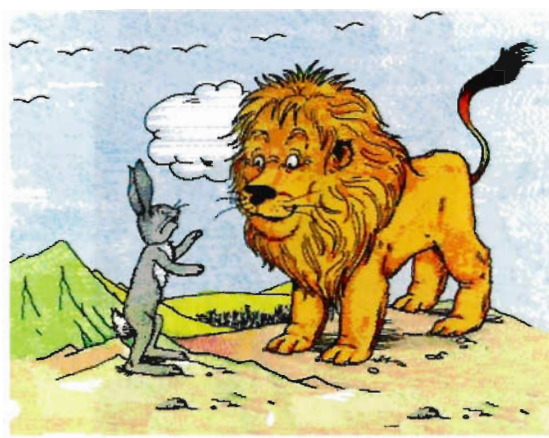

♦ طلعت نسیم 2793 پہاڑی بھوجلہ ترکمان گیٹ دہلی 110006

□ خالد رحیم

سردی آئی

ہوا چلی پھر ٹھنڈی ٹھنڈی — موسم بدلا آئی سردی
سورج بھی کچھ دیر سے نکلا — دھند میں ڈوبا ملا سویرا
کہرے میں گم سارا منظر — ٹھنڈی لہر سے لوگ ہیں ششدر
کانپ رہے ہیں تھر تھر بوڑھے — گھوم رہے ہیں کمبل اوڑھے
سوئیٹر مفلر اونی کپڑے — پہن کے بچے گھر سے نکلے
ٹھٹھرے ٹھٹھرے بام و در ہیں — آگ تاپنے کے منظر ہیں
جب چائے کی پیالی آئے — تھوڑی سردی تھم سی جائے
دن چھوٹا ہے رات ہے لمبی — شام بھی ہو جاتی ہے جلدی
پھولوں کے رخ پر شبنم ہے — چڑیوں کی چہکار بھی کم ہے
سردی ہے پکنک کا موسم — آؤ پکنک پر جائیں ہم
کھیلیں کودیں ناچیں گائیں — اس موسم کا لطف اٹھائیں
سردی کا موسم اچھا ہے — سردی قدرت کا تحفہ ہے

□ مہدی پرتاپ گڑھی

سردی نے پھر رنگ جمایا

سردی نے پھر رنگ جمایا — ہر جانب ہے کہرا چھایا
سورج ایسا لرز رہا ہے — سردی سے جیسے ٹھٹھرا ہے
دن چھوٹے اور رات بڑی ہے — کتنی جلدی شام ہوئی ہے
سردی نے ڈیرا ڈالا ہے — غربا کا تو حال برا ہے
امرا کے اب ٹھاٹ بڑے ہیں — لحاف گدے نکل پڑے ہیں
ہیٹر ہر کمرے میں لگا ہے — خوش گوار ماحول ہوا ہے
آساں ہو گیا محنت کرنا — علم سے اپنا دامن بھرنا
جتنی چاہیں کرلیں مشقت — سردی بھی ہے خدا کی نعمت
کھیلیں کودیں علم بھی سیکھیں — اچھا دیکھیں اچھا سوچیں
دہقاں سردی سے نہیں ڈرتا — کھیت پے جاکر کام ہے کرتا
چنا مٹر گندم بوتا ہے — راتوں میں بھی کم سوتا ہے
اس کی یہ دن رات کی محنت — دیتی ہے ہم سب کو راحت

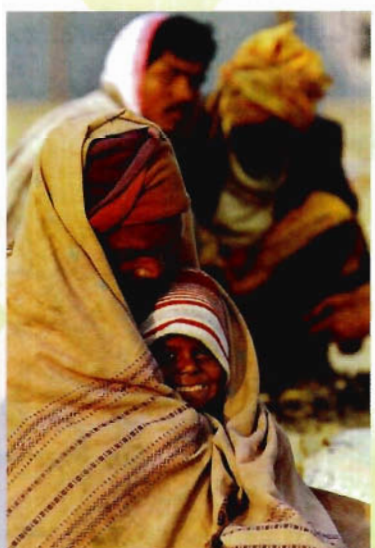

جاڑے کی رُت

سوئیٹر مفلر لائی ہے
جاڑے کی رُت آئی ہے

اپنے گھر میں دبکے ہیں سب بستر میں دبکے ہیں
سونی ہر انگنائی ہے

نیچے موٹا گدا ہے چادر ہے غالیچہ ہے
اوپر گرم رضائی ہے

کیلے سیب اور سیتا پھل بیر جام کھرنی کٹھل
رس گلے ہیں ملائی ہے

مال اور دولت والوں کو عیش و مسرت والوں کو
ٹھاٹ کے ساماں لائی ہے

نردھن مفلس بے چارے ٹھٹھریں سردی کے مارے
مولا تیری دہائی ہے

پڑے ہیں روٹی کے لالے کیسے شال اور دوشالے
پیسہ ہے نہ پائی ہے

چلیں ہوائیں سرسر سر کانپ رہے ہیں تھر تھر تھر
ہر اک شے برفائی ہے

آگ جلا کر اے راہی جسم تپا کر اے راہی
ہم نے رات بتائی ہے
جاڑے کی رُت آئی ہے

جاڑا آیا جاڑا آیا

جاڑا آیا جاڑا آیا خوشیوں کا سندیسہ لایا
ہم سب گرمی سے پاگل تھے لو کی شدت سے گھائل تھے
آگ برستی تھی ہر جانب ہم سب تھے راحت کے طالب
ہونٹوں پر تھا پیاس کا قبضہ شربت سے تھا پانی مہنگا
آیا جب برسات کا موسم اس نے رکھا لب پر مرہم
ٹوٹ کے ایسا برسا بادل جس سے ہوا ہر رستہ جل تھل
پانی میں دل ڈوب گیا تھا کیچڑ سے جی اوب گیا تھا
شکر خدا کا جاڑا آیا کیچڑ سے چھٹکارا پایا
خوب نہاری کھائیں گے اب روز اسکول کو جائیں گے اب
اونی کپڑے تن پہ سجیں گے چہرے حرارت سے دمکیں گے
سوٹ فراغ اب سلوانا ہے سج کے محفل میں جانا ہے

♦ خالد رحیم، خانساماں لین، منی ساہو چوک، بکسی بازار، کٹک، اوڈیشا 753001
♦ مہدی پرتاپ گڑھی 28 اسکول وارڈ، پرتاپ گڑھ، یوپی 220001
♦ ڈاکٹر محبوب راہی پوسٹ آفس برسی ٹکلی ضلع اکولا - 444401 مہاراشٹر
♦ فراغ روہوی 67 مولانا شوکت علی اسٹریٹ کولکاتہ 700073

گلیور بالشتیوں کی دنیا میں

مصنف
جوناتھن سوئفٹ

گلیور ایک مشہور جہاز راں تھا۔ سند باد جہازی کی طرح۔ انگلینڈ کے شہر ناٹنگھم شائر میں گلیور اپنے والد اور چار بھائیوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دن اس کے والد نے کہا

اب میں تمھارا خرچ نہیں اٹھا سکتا۔ کہیں نوکری کرلو

گلیور ڈاکٹر تھا مگر دواخانے سے اچھی آمدنی نہیں ہوتی تھی، اس لیے اس نے دوسرے ملکوں کو جانے والے ایک جہاز پر نوکری کرلی

سفر کے دوران سمندر میں ایک بار زبردست طوفان آیا اور جہاز ہچکولے کھانے لگا

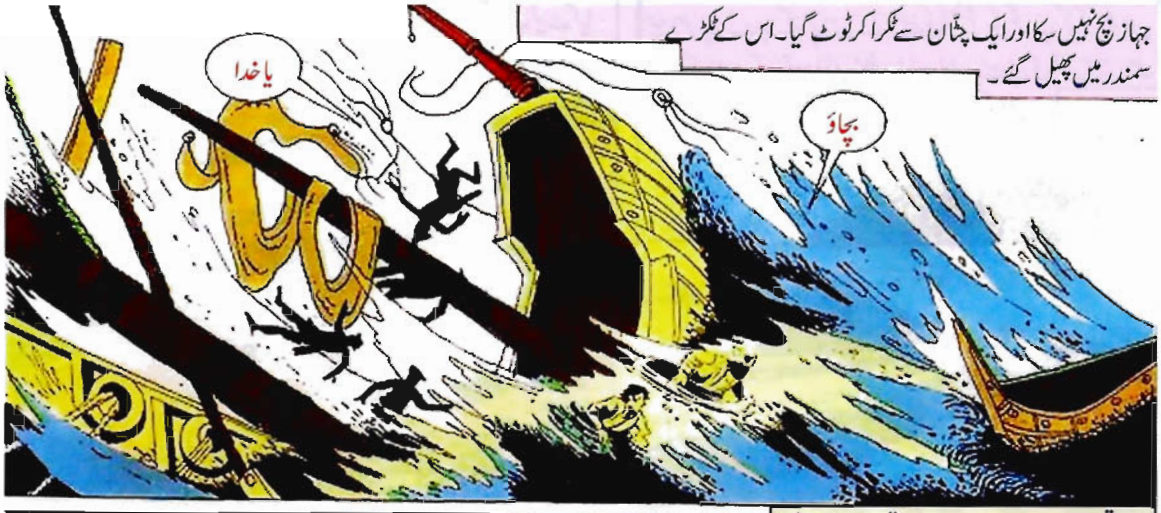
جہاز بچ نہیں سکا اور ایک چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ اس کے ٹکڑے سمندر میں پھیل گئے۔
یا خدا
بچاؤ

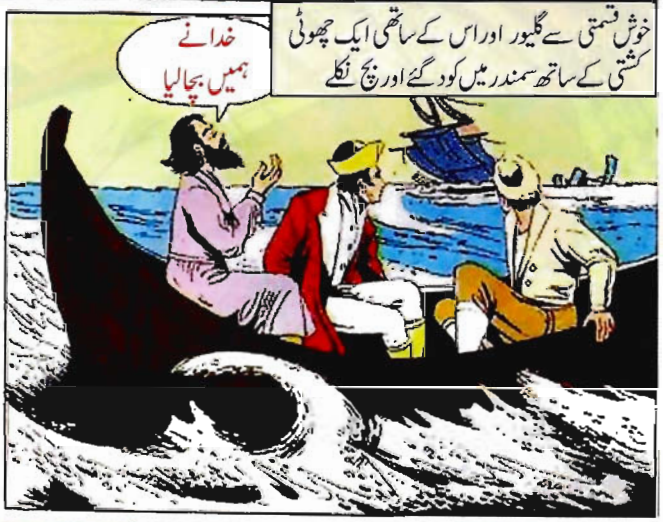
خوش قسمتی سے گلیور اور اس کے ساتھی ایک چھوٹی کشتی کے ساتھ سمندر میں کود گئے اور بچ نکلے
خدا نے ہمیں بچا لیا

لیکن پھر طوفان آیا اور اب کشتی بھی الٹ گئی

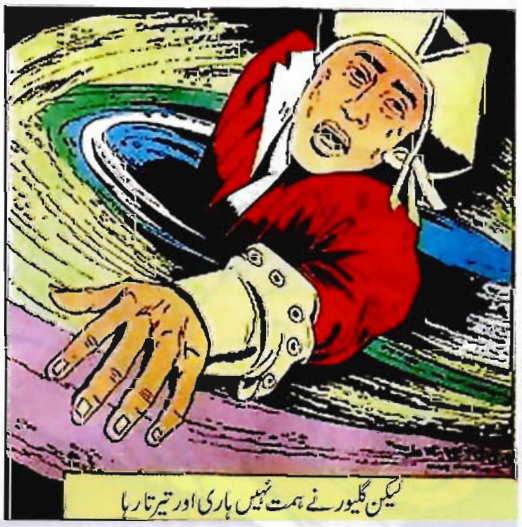
لیکن گلیور نے ہمت نہیں ہاری اور تیرتا رہا

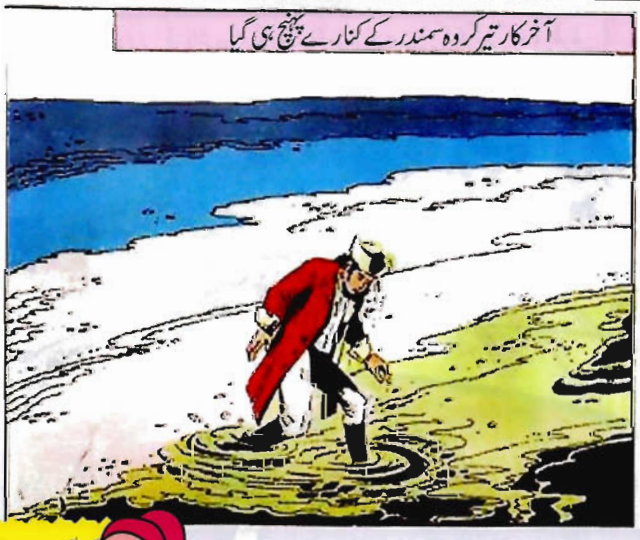
آخر کار تیر کر وہ سمندر کے کنارے پہنچ ہی گیا

گلیور اتنا تھکا ہوا تھا کہ گیلے کپڑے اتارے بغیر ہی ایک پیڑ کے قریب لیٹ گیا

تھکا ہوا گلیور لیٹتے ہی سو گیا

تیز دھوپ سے جاگنے پر اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں مضبوط ڈوریوں سے پوری طرح بندھے ہوئے تھے اور وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا

کچھ ہی دیر بعد اس نے بالشت بھر کی اونچائی والے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا جن میں سے کئی نے تو اس کے سینے پر چڑھ کر چھوٹے چھوٹے تیر کمان تان لیے اور چلّانے لگے

پتہ نہیں کس زبان میں چلّا رہے ہیں یہ لوگ

s+!!, -m m

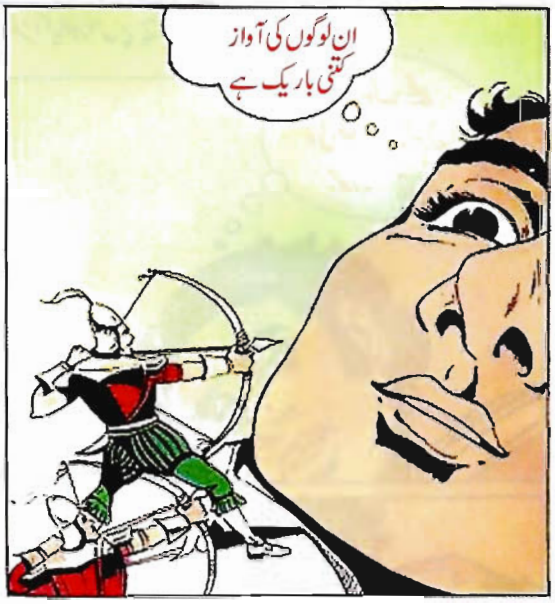
ان لوگوں کی آواز
کتنی باریک ہے

مگر گلیور اب اکتا چلا تھا
اب ذرا انھیں اپنی طاقت
دکھانی چاہیے

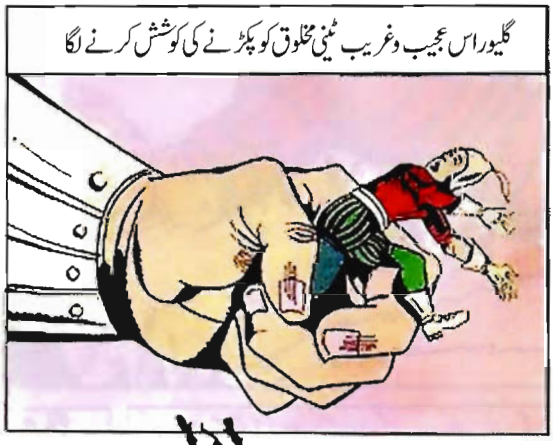
گلیور اس عجیب وغریب ٹینی مخلوق کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا

ارے! یہ تو تیر چلانے لگے۔
یہ تیر ہیں یا سوئیاں؟

اف، یہ تو نیزے بھی
چبھو رہے ہیں

گلیور کو ان لوگوں پر ترس آ گیا اور اس نے پکڑے ہوئے بالشتیے
کو چھوڑ دیا
چلو جاؤ،
چھوڑ دیا تمھیں

اس بیچ بالشتیے فوجیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ گلیور کے قریب آ کر انھوں ایک اونچا اسٹیج کھڑا کیا اور اس پر چڑھ کر ان کا سردار اپنی زبان میں تقریر کرنے لگا

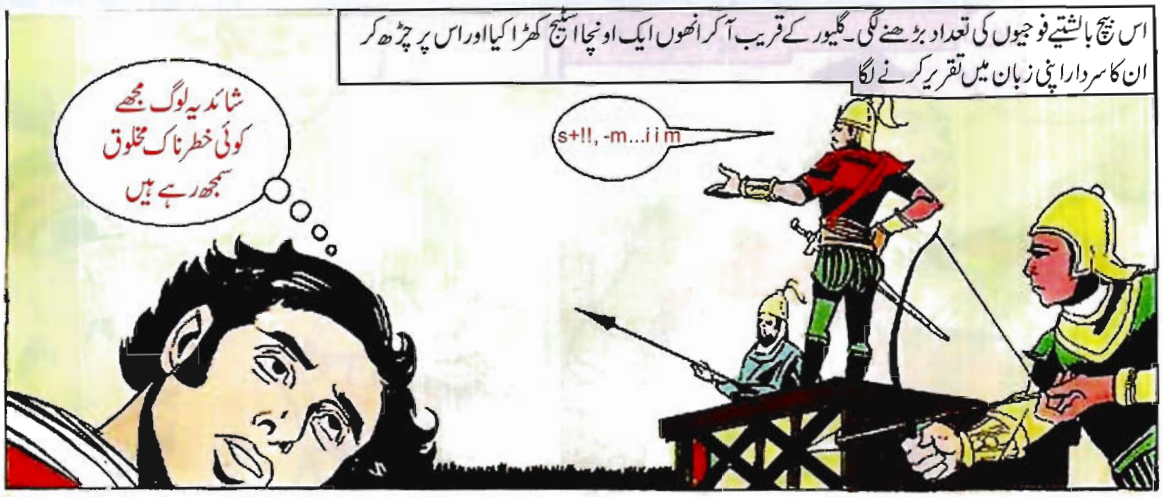

گلیور نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے سمجھانے کی کوشش کی

گلیور نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ لیے

شاید انھوں نے معاف کردیا

کچھ سپاہی آگے آ کر اس کے بازو کی رسیاں کھولنے لگے

اب گلیور کو بھوک لگنے لگی تھی۔ وہ ہاتھ کو بار بار منہ تک لا کر اشارے کرنے لگا

سردار کے حکم پر سپاہی گلیور کے منہ کے پاس سیڑھیاں لگانے لگے

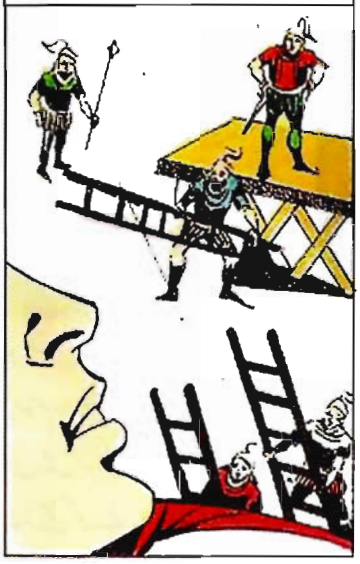

کئی سپاہی ہاتھوں میں ٹوکریاں لے کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگے

گلیور سمجھ گیا۔ اس کے لیے کھانا لایا جا رہا تھا۔ اس نے منہ کھول دیا اور بالشتیے فوجی اپنی ٹوکریاں اس کے منہ میں خالی کرنے لگے

فوجیوں نے کئی ٹوکریاں اس کے منہ میں ڈال دیں مگر گلیور کچھ اور ہی سوچ رہا تھا

سلسلہ جاری

ماخذ: کامکس بکس پلس، ترجمہ: شعبہ ادارت

دسمبر
واقعات کے آئینے میں

شمسی کیلنڈر کے سال کا بارہواں اور آخری مہینہ دسمبر ہے جو 31 دن کا ہوتا ہے۔ زمین کے آدھے شمالی گولے میں یہ موسم سرما یعنی سردی کے موسم کا پہلا مہینہ ہے، حالانکہ بہت سے علاقوں میں سردی نومبر کے مہینے میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے الٹ زمینی گولے کے جنوب میں اس مہینے جون کے مہینے جیسی سخت گرمی پڑتی ہے۔ دسمبر اسی دن شروع ہوتا ہے جس دن ستمبر کی شروعات ہوتی ہے اور اسی دن ختم ہوتا ہے جو اس سال اپریل کا آخری دن رہا ہو۔ جیسا کہ ہم پہلے بتاتے آئے ہیں، رومن کیلنڈر کے مطابق جس زمانے میں سال کا پہلا مہینہ مارچ ہوا کرتا تھا تب دسمبر سال کا دسواں مہینہ ہوا کرتا تھا۔ لاطینی اور رومن میں Decem اور Deca کا، فارسی میں دہم کا اور سنسکرت میں دشم کا مطلب دسواں ہوتا ہے جس سے ان زبانوں کے آپس کے رشتے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اب اس مہینے کے دوران دنیا میں اور اپنے ملک میں رونما ہونے والے اہم واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔

یکم دسمبر: پرتگال ایک قومی انقلاب کے بعد 1640 میں اس روز اسپین یعنی ہسپانیہ کی غلامی سے آزاد ہو گیا۔ ♦1918 میں کناڈا کی پارلیمنٹ نے آئس لینڈ کو آزادی دے دی۔ ♦1919 میں برطانوی 'پارلیمنٹ' کے ہاؤس آف کامنس میں جو ہندوستان کی لوک سبھا جیسا ہوتا ہے، لیڈی نینسی ایسٹر نے ایوان کی پہلی خاتون ممبر کے طور پر حلف لیا۔ ♦1988 میں بے نظیر بھٹو کو پاکستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم نامزد کیا گیا۔ وہ اسلامی دنیا کی بھی پہلی خاتون وزیر اعظم تھیں۔ ♦1989 میں سوویت روس کے رہنما میخائیل گورباچوف نے پوپ سے ویٹیکن جا کر ملاقات کی۔ 72 سال پرانی لامذہبیت کی سوویت پالیسی کے دوران یہ کسی سوویت رہنما کی کسی مذہبی شخصیت سے پہلی ملاقات تھی۔ ♦زمین پر برفانی عہد Ice Age کے بعد پہلی بار 1990 میں انگلینڈ باقی یوروپ کی زمین سے جڑ گیا۔ یہ کارنامہ انجینیروں نے انگلش چینل میں سمندر کے نیچے ریلوے سرنگ بنا کر انجام دیا۔

♦1994 میں افریقی ملک روانڈا میں اقوام متحدہ کے کمیشن نے بتایا کہ وہاں نسل کشی کے دوران 5 لاکھ لوگ مارے گئے ہیں۔

2 دسمبر: 1804 کو پیرس میں پوپ نے نپولین بوناپارٹ کو فرانس کے شہنشاہ کا تاج پہنایا۔ ♦1954 میں سات خلیجی ریاستوں ابوظہبی، دبئی، شارجہ، اجمان، ام القیوان اور فجیرہ کو ملا کر متحدہ عرب امارات قائم کی گئی۔ 1972 میں اس میں راس الخیمہ بھی اس میں شامل ہو گیا۔

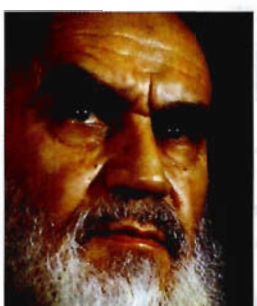

♦1979 میں ایرانی عوام نے ملک کے آئین کو منظوری دی جس میں آیت اللہ خمینی کو مکمل اختیارات دے دیے گئے۔ ♦1982 میں 61 سالہ بیمی کلارک کو سالٹ لیک سٹی امریکہ کی یونیورسٹی میں ڈاکٹر ولیم ڈی رائیس نے ایک مستقل مصنوعی (بناوٹی یا نقلی) دل لگا کر موت کے منہ سے بچا لیا۔ مصنوعی دل لگانے کا یہ پہلا کامیاب تجربہ تھا۔ لیکن کلارک جو کہ آپریشن سے پہلے لگ بھگ موت کے منہ میں پہنچ چکا تھا 112 روز تک ہی زندہ رہ سکا۔ ♦ہندوستان میں وشوناتھ پرتاپ سنگھ نے 1989 میں وزیر اعظم

کے عہدے کا حلف لیا۔

3 دسمبر: 1967 کو کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ میں ڈاکٹر کرسچین برنارڈ نے ایک آدمی کا دل نکال کر دوسرے آدمی کے دل کی جگہ لگانے کا پہلا کامیاب تجربہ کیا۔ مگر مریض کی 18 دن بعد موت ہوگئی۔ ♦ 1971 میں ہندوستان کی مغربی پاکستان سے بھی جنگ چھڑ گئی، جب کہ مشرقی پاکستان کی طرف جنگ پہلے ہی جاری تھی۔ ♦ 1984 میں بھوپال کے یونین کاربائڈ کمپنی کے کارخانے میں بے حد زہریلی گیس میتھائیل آئیسو سائینیٹ خارج ہونے سے ہزاروں لوگوں کی جانیں چلی گئیں اس حادثے میں کم از کم 3 ہزار لوگ ہلاک ہوئے اور دو لاکھ لوگوں کو گہرا جسمانی نقصان پہنچا جن میں اکثر عمر بھر کے لیے اپاہج ہو گئے۔ ♦ ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ بابو راجندر پرساد ضلع سیوان، بہار کے گاؤں میں 1884 میں پیدا ہوئے۔

بھوپال گیس سانحے میں مرنے والے ایک بچے کو دفنانے کی ہولناک تصویر

4 دسمبر: 1791 کو برطانیہ میں اتواری اخبار 'دی آبزرور' کی اشاعت شروع ہوئی۔ اس وقت یہ دنیا کا سب سے پرانا سنڈے نیوز پیپر ہے جو چھپ رہا ہے۔ ♦ 1829 میں انگریز حکومت نے شوہر کی ارتھی کے ساتھ اس کی بیوہ کے زندہ جلنے کی رسم 'ستی' پر پابندی لگادی۔ ♦ اسکاٹ لینڈ کے مشہور انشائیہ نگار ٹامس کارلائیل 1795 میں پیدا ہوئے۔

♦ کلاک ورک اورینج جیسی مشہور فلموں کے اداکار مائیکل بیٹس، 1920 میں ہندوستان کے شہر جھانسی میں پیدا ہوئے۔

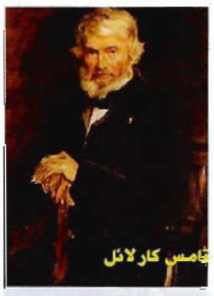
تامس کارلائل

5 دسمبر: 1492 کو کرسٹوفر کولمبس نے جزیرہ ہائیتی Haiti کا پتہ لگایا۔ ♦ عظیم موسیقار وولف گانگ امیڈیوس موزارٹ کا ویانا (آسٹریا) میں صرف 35 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

موزارٹ

موزارٹ کی صحت اچانک بڑی تیزی سے گرنے لگی تھی۔ ان کی موت کے بعد لوگوں نے شبہ ظاہر کیا کہ انھیں زہر دیا گیا ہے۔ لیکن تفتیش سے بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی۔ اپنی مختصر سی عمر میں موزارٹ نے 600 سے زیادہ دھنیں ترتیب دیں جو آج بھی مغربی کلاسیکی موسیقی کی شاہ کار مانی جاتی ہیں۔ ♦ 1901 میں والٹ ڈزنی شکاگو امریکہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کارٹون نگاری میں نام کمایا، مکی ماؤس جیسے کردار دنیا کو دیے، آواز والی کارٹون فلمیں بنائیں اور ان کی بنائی ہوئی کمپنی نے ہی 1966 میں ان کے انتقال کے بعد فلوریڈا میں ڈزنی ورلڈ قائم کیا۔ یہ کمپنی آج بھی بچوں کے لیے فلمیں بنا رہی ہے اور اس کے اپنے ٹی وی چینل بھی چل رہے ہیں۔ ♦ 1950 میں سکم ہندوستان کی حفاظت اور پناہ میں آ گیا اور تقریباً پچیس سال بعد ہندوستان کا صوبہ بن گیا۔ ♦ مشہور اردو شاعر جوش ملیح آبادی 1898 کو ملیح آباد، اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔

والٹ ڈزنی

6 دسمبر: 1877 کو تھامس ایڈیسن نے نیو جرسی کی اپنی تجربہ گاہ میں بچوں کی نظم 'میری ہیڈ اے لٹل لیمب...' پڑھ کر اپنے ایجاد کردہ فونو گراف پر اپنی آواز ریکارڈ کر کے لوگوں کو سنوائی۔ یہ ایک سلنڈر والی مشین تھی جس میں سلنڈر پر لپٹے تاروں پر آواز ریکارڈ ہوتی

ایڈیسن اپنی فونو گراف مشین کے ساتھ

تھی۔ بعد میں سلنڈر کی جگہ ایک گول پلیٹ پر لائینوں میں آواز بھرنے کی تکنیک ایجاد ہوئی جسے گراموفون کہتے ہیں۔♦ 1917 میں 5 ہزار ٹی این ٹی بارود لے جانے والا ایک فرانسیسی جہاز ناروے کے جہاز سے ٹکرا گیا جس سے 1500 لوگ مر گئے اور سمندر میں اتنی اونچی لہریں اٹھیں کہ نزدیکی شہر ہیلی فکس کا بیش تر حصہ تباہ ہو گیا۔♦ 1971 میں ہندوستان نے بنگلہ دیش کو آزاد ملک تسلیم کر لیا جس کے بعد پاکستان نے ہندوستان سے سفارتی تعلقات توڑ لیے۔♦ ہندوستان میں انگریز حکومت کا پہلا گورنر جنرل وارین ہیسٹنگز 1732 میں انگلینڈ میں پیدا ہوا۔♦ ہندوستان کے پہلے وزیر قانون ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کا 1956 میں انتقال ہو گیا۔ ان کی نگرانی میں ہندوستان کا جمہوری آئین تیار ہوا تھا۔♦ ایودھیا میں ایک زبردست ہجوم نے بھارتیہ جنتا پارٹی، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شو سینا کے لیڈروں کی موجودگی میں تاریخی بابری مسجد کو 1992 میں منہدم کر دیا۔♦ کلکتہ میں سراج الدولہ کی حکومت کے دوران ایسٹ انڈیا کمپنی کے لارڈ کلائیو نے اپنے سپاہیوں کی مدد سے اڑیسہ کے گاؤں فلٹا پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد کلکتہ کی حکومت پر حملے کی تیاری شروع کر دی۔

ڈاکٹر امبیڈکر

7 دسمبر: 43 قبل مسیح کو قدیم روم کے مصنف، دانش ور اور بے حد مقبول مقرر سسرو (مارکس ٹولیس) کا انتقال ہوا۔♦ موم کے بت بنانے والی میری تساد، 1761 میں برن، سوئٹزر لینڈ میں پیدا ہوئیں۔ 1802 میں انھوں نے اسٹاک ہوم میں مادام تسادس کے نام سے مومی مجسموں کی نمائش گاہ قائم کی۔

گاندھی جی کا مومی مجسمہ

8 دسمبر: 1871 کو بیٹلز کے میوزک گروپ کے مشہور سابق ممبر جان لینن کو نیو یارک میں قتل کر دیا گیا۔♦ 1991 میں اس روز سوویت یونین کا خاتمہ ہو گیا اور اس میں شامل ملکوں روس، بیلا روس اور یوکرین نے آزاد ملکوں کی دولت مشترکہ سی آئی ایس Commonwealth of Independent States قائم کر لی۔♦ 1894 میں مشہور امریکی مزاح نگار اور آرٹسٹ جیمس تھربر کولمبس سٹی امریکہ میں پیدا ہوئے۔

جیمس تھربر

9 دسمبر: 1608 کو مشہور شاعر جان ملٹن لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور کتابوں میں پیریڈائز لوسٹ، پیریڈائز ری گین اور دی ڈاکٹرین اینڈ ڈسپلن آف ڈائی وورس شامل ہیں۔ انگریزی ادب میں اہمیت کے لحاظ سے شیکسپیئر کے بعد ان ہی کا درجہ ہے۔♦ 1658 میں، ڈچ (ہالینڈ کے) فوجیوں نے ہندوستان کے بندرگاہی شہر کیلون Quilon پر قبضہ کر لیا۔

ملٹن

10 دسمبر: 1896 کو سویڈن کے کیمسٹری کے ماہر الفریڈ نوبیل کا اٹلی کے سان ریمو میں انتقال ہوا۔ انھوں نے اپنی وصیت میں لکھا کہ 90 لاکھ ڈالر کی ان کی جائیداد سے ہونے والی آمدنی انسانیت کے لیے اچھے کام کرنے والوں کو انعام دینے پر خرچ کی جائے۔ چنانچہ ان کے نام پر امن، فزکس، کیمسٹری، میڈیسین، لٹریچر اور اکونومکس کے شعبوں میں کوئی بڑا کام کرنے والی شخصیتوں کو نوبیل پرائز دیا جاتا ہے جو آج دنیا کے سب سے بڑے عالمی اعزازات میں شامل ہوتا ہے۔ ہر انعام کی قیمت اب دس لاکھ ڈالر تک پہنچ گئی ہے۔♦ 1990 میں حیدرآباد اور علی گڈھ میں فرقہ وارانہ دنگوں میں 140 لوگوں کی موت ہوئی۔♦ آزاد ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل چکرورتی راج گوپال آچاریہ جو راجہ جی نام سے مشہور تھے 1878 میں جنوبی ہند کے تھورا پلّی میں پیدا ہوئے۔

راجہ جی

11 دسمبر: 1845 کو انگریزوں اور سکھوں کی پہلی لڑائی شروع ہوئی اور چار لڑائیوں میں سکھوں کی لگاتار ہار کے بعد پنجاب کا

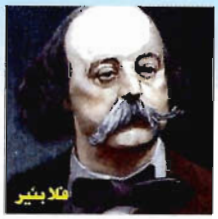
فلابئیر

کافی حصہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔

12 دسمبر: 1821 کو فرانسیسی مصنف گستاف فلابئیر فرانس کے شہر روئین میں پیدا ہوئے اور اپنے ناول 'مادام بوواری' کے لیے انھوں نے زبردست شہرت پائی۔ ♦1911 میں کلکتہ کی جگہ دہلی ہندوستان کی راجدھانی بن گئی۔

13 دسمبر: 1937 کو دوسری عالمی جنگ کے دوران ہوئی سب سے بڑی زیادتیوں میں سے ایک کا اس وقت آغاز ہوا جب جاپانیوں نے چین کے شہر نان جنگ پر قبضہ کیا اور نہتے چینی شہریوں پر ٹوٹ پڑے۔ جاپانی فوجیوں نے اگلے چھ ہفتوں تک لوگوں کے قتل عام اور عورتوں کے ساتھ زنا کا ایسا لرزہ خیز سلسلہ جاری رکھا کہ اس عرصے میں تقریباً دو لاکھ چینی عوام ہلاک ہو گئے۔

نانجنگ قتل عام کے دل دہلا دینے والے ایک منظر کی پینٹنگ

14 دسمبر: 1799 کو امریکی رہنما جارج واشنگٹن کا ماؤنٹ ورنن میں انتقال ہوا۔ ♦1911 میں ناروے کے مہم جو، رولڈ ایمنڈسن جنوبی قطب South Pole پر پہنچنے والے پہلے انسان تھے۔ ♦1918 میں برطانیہ میں عورتوں کو پہلی بار عام چناؤ میں ووٹ دینے کا حق ملا۔

میرینر 2 کے سیارہ زہرہ تک پہنچنے کی ایک خیالی تصویر

♦1962 میں سیارہ زہرہ Venus پر پہنچنے والے خلائی جہاز میرینر دوئم Mariner-II نے سگنلز کے ذریعے معلومات بھیجی۔ یہ پہلا موقع تھا جب زمین پر کسی دوسرے سیارے سے سگنل موصول کیے گئے۔

♦1503 میں فرانسیسی ڈاکٹر، نوسترا دیمس Nostradamus سینٹ ریمی، فرانس میں پیدا ہوا۔ اس نے شعروں کی شکل میں ایسی گول مول سی باتیں لکھیں جنھیں لوگ پیشین گوئیاں مانتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ نوسترادیمس نے ان شعروں میں پوری دنیا کا مستقبل بیان کر دیا ہے۔

نوسترا دیمس

وجے امرت راج

♦1953 میں ہندوستان کے مایہ ناز ٹینس کھلاڑی وجے امرت راج پیدا ہوئے۔

15 دسمبر: 1832 کو فرانسیسی انجینیر الیگزینڈر آئیفل فرانس کے شہر ڈی جون میں پیدا ہوا۔ اس نے 1889 میں پیرس میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل نمائش کے لیے لوہے کا بلند ترین مینار آئیفل ٹاور ڈیزائن کیا جو آج بھی دنیا بھر میں فرانس کی پہچان بنا ہوا ہے۔ اس نے امریکہ کے اسٹیچو آف لبرٹی کا ڈیزائن تیار کرنے میں بھی مدد کی۔

سردار پٹیل

♦ہندوستان کا مرد آہن کہلانے والے سردار ولبھ بھائی پٹیل کا 1950 میں انتقال ہو گیا۔ وہ ملک کے پہلے وزیر داخلہ تھے۔

16 دسمبر: 1770 کو دنیا کے مشہور ترین میوزک کمپوزروں میں ایک لڈوِگ وان بیتھوون جرمنی کے شہر بون میں پیدا ہوا۔ اگرچہ اس کا انتقال 57 سال کی عمر میں ہوا لیکن 30 سال کی عمر تک وہ بہرا ہو چکا تھا اور اسی حالت میں اس نے مشہور نویں سمفنی Ninth Symphony ترتیب دی تھی۔ 1824 میں جب وہ 54 برس کا تھا تب اس نے اپنا آرکسٹرا اسی سمفنی کی پیش کش کے لیے کنڈکٹ کیا حالانکہ اس وقت وہ آرکسٹرا اور اس پر بجنے والی تالیوں کی آواز بھی نہیں سن سکتا تھا۔ پیانو پر اسے خاص مہارت حاصل

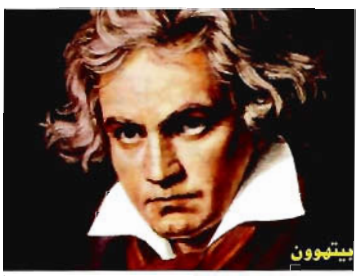
بیتھوون

تھی جس کے اس نے 32 سوناٹا ترتیب دیے۔ مغربی کلاسیکی موسیقی میں بیتھوون کا بڑا اونچا مقام ہے۔ ♦1775 میں ناول نگار جین آسٹن ہیمپ شائر انگلینڈ میں پیدا ہوئیں۔ پرائڈ اینڈ پریجوڈس، ایما اور سینس اینڈ سینسی بلٹی ان کے مشہور ناول ہیں۔ ♦1971 میں ہندوستانی فوجیوں نے ڈھاکہ پر قبضہ کرلیا۔♦2012 میں اس رات

دہلی میں کچھ لڑکوں نے چلتی بس میں ایک خاتون کے ساتھ بڑی بے رحمی سے زنا کیا جس پر بعد میں پورے ملک میں احتجاج کی لہر دوڑ گئی اور لوگ سڑکوں پر اتر آئے۔

17 دسمبر: 1971 کو ہندوستان اور پاکستان میں مشرقی پاکستان کو لے کر ہونے والی جنگ 90 ہزار پاکستانی فوجیوں کے ہتھیار ڈالنے کے ساتھ ختم ہوگئی۔ مغربی سیکٹر پر کشمیر میں بھی دونوں ملکوں کے درمیان جنگ بندی ہوگئی۔♦1972 میں دونوں ملکوں نے کشمیر میں نئی لائن آف کنٹرول پر اتفاق کیا۔♦1903 میں سگے بھائیوں آرول رائٹ اور ولبر رائٹ نے تین سال کی کوششوں کے بعد پوری طرح انجن کی طاقت سے چلنے والے ہوائی جہاز میں کٹی ہاک، نارتھ کیرولینا امریکہ کے نزدیک اڑانیں بھریں جن میں سب سے لمبی اڑان تقریباً ایک منٹ کی تھی۔

18 دسمبر: 1916 کو پہلی عالم گیر جنگ کے دوران دس ماہ تک چلنے والی جنگِ وردون ختم ہوئی جس میں 543000 فرانسیسی اور 434000 جرمن فوجی مارے گئے۔♦ ہندوستان نے گوآ، دمن اور دیو کے علاقوں کو پرتگال کے قبضے سے 1961 میں اپنے قبضے میں واپس لے لیا۔ ♦ جیمس بانڈ کی مشہور فلم 'آکٹوپسی' میں کام کرنے والی اداکارہ جانی فلین 1949 میں آسام میں پیدا ہوئی۔

19 دسمبر: 1790 کو باتھ، انگلینڈ میں مشہور برطانوی مہم جو ولیم پیری کی پیدائش ہوئی جس نے قطب شمالی کے آرکٹک علاقے کی طرف سے شمال سے مغربی دنیا (براعظم امریکہ وغیرہ) تک جانے کا مختصر راستہ ڈھونڈنے کی تین کوششیں کیں۔

20 دسمبر: 1868 کو امریکی صنعت کار ہاروے ایس فائر اسٹون کولمبیا کاؤنٹی، امریکہ میں پیدا ہوا۔ اس نے فائر اسٹون ٹائر اینڈ ربر کمپنی کی بنیاد ڈالی جو دنیا بھر میں مشہور ہوئی۔ وہ مشہور صنعت کار ہنری فورڈ اور سائنسداں تھامس ایڈیسن کا قریبی دوست تھا۔

21 دسمبر: 1846 کو ڈاکٹر رابرٹ لسٹن نے آپریشن کے لیے مریض کو بیہوش کرنے یعنی Anesthesia دینے کا عمل پہلی بار لندن کے یونیورسٹی کالج اسپتال میں آزمایا اور اپنے نوکر کی ایک ٹانگ کاٹ کر اسے موت سے بچالیا۔♦1804 میں برطانوی دانش ور بنجامن ڈزرائیلی لندن میں پیدا۔ اس نے ٹوری پارٹی کی قیادت کی اور دو مرتبہ وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا۔ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں اسی کی کوششوں سے برطانوی راج کو ہندوستان اور مشرق وسطیٰ کے علاقوں میں پھیلایا گیا۔ اس نے سیاسی موضوعات پر ناول نگاری کی بھی ابتدا کی۔♦ سوویت رہنما جوزف اسٹالن کی 1879 میں جارجیا کے ایک گاؤں 'گوری' میں پیدائش ہوئی۔

ڈزرائیلی

22 دسمبر: 1851 کو ہندوستان میں پہلی ریل گاڑی، جو دراصل سامان ڈھونے والی گاڑی تھی، اتراکھنڈ (قدیم یوپی) کے شہر روڑکی میں چلنا شروع ہوئی جو دراصل روڑکی کی اُس گنگا نہر کو بنانے کے سلسلے میں چلائی گئی تھی جو ایک قدرتی ندی کے اوپر سے گزاری جانی تھی۔ ندی کے اوپر نہر کا یہ پل انجینیرنگ کا ایک انوکھا نمونہ ہے۔ نہر بننے کے بعد یہ ریل گاڑی اور پٹری ہٹالی گئی۔

روڑکی میں پہلی مال گاڑی کا انجن

23 دسمبر: 1888 کو ہالینڈ کے مشہور عالم پینٹر ونسینٹ وین گاگ نے شدید مایوسی Depression کے عالم میں اپنا بایاں کان کاٹ لیا۔

♦ 1947 میں امریکہ کی بیل لیبارٹریز میں جان برڈین، والٹر براٹین اور ولیم شاکلے نے مل کر ایک الیکٹرانک پرزہ ٹرانزسٹر Transistor ایجاد کیا جس نے الیکٹرانکس کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور اتنے چھوٹے ریڈیو سیٹ، فون اور کیلکیولیٹر وجود میں آ سکے جنھیں جیب میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اس ایجاد کے لیے تینوں سائنسدانوں کو مشترکہ طور پر نوبیل پرائز دیا گیا۔ ♦ 1941 سے 1944 کے درمیان جاپان کے وزیراعظم رہ چکے ہدیکی توجو کو چھ دوسرے جاپانی فوجی افسروں کے ساتھ جنگی جرائم کے لیے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ♦ 1987 میں ڈک روٹان اور جینا ییگر نے اپنے طیارے وائجر Voyager میں دوبارہ تیل بھرے بغیر 216 گھنٹوں تک لگاتار پرواز میں رہنے کا نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا جس میں انھوں تقریباً 115 میل فی گھنٹے کی رفتار سے 24986 میل کا فاصلہ طے کیا۔ ♦ ہندوستان اور سری لنکا میں اس روز 1964 میں زبردست سائیکلون آیا جس سے 4850 لوگوں کی موت ہوگئی۔ ♦ سابق وزیر اعظم پی وی نرسمہا راؤ کا 2004 میں انتقال ہوگیا۔

24 اکتوبر: 1990 کو کرسمس سے ایک دن پہلے ماسکو کے سینٹ باسل کیتھیڈرل میں سوویت انقلابی رہنما لینن کی موت کے بعد پہلی بار کرسمس کے لیے گھنٹے بجائے گئے۔

25 دسمبر: سن 336 کو ویسٹرن کیتھولک چرچ نے پہلی بار 25 دسمبر کو کرسمس منانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ♦ 1989 میں رومانیہ میں ٹی وی پر کرسمس کی تقریبات کے ٹیلی کاسٹ کے دوران اچانک اعلان کیا گیا کہ ملک کے حکمراں نکولائی چاؤسیسکو اور ان کی بیوی کو عوامی بغاوت کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ ♦ 1642 میں لنکن شائر، انگلینڈ میں آئزک نیوٹن کی پیدائش ہوئی جو کشش ثقل یعنی Gravitational Force کی تھیوری کے لیے دنیا بھر میں جانے جاتے ہیں۔ حرکت Movement سے متعلق دریافت شدہ تین اصول ان ہی سے منسوب ہیں۔ ♦ 1876 میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے بانی محمد علی جناح کی کراچی میں پیدائش ہوئی۔ ♦ 1924 میں سابق وزیر اعظم اٹل بہاری باجپائی گوالیار میں پیدا ہوئے۔

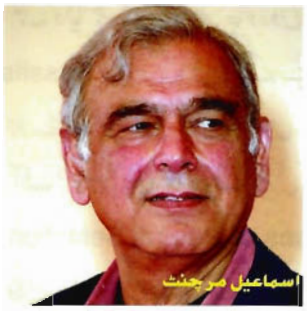

♦ ہاؤس ہولڈر، پرفیکٹ مرڈر اور اردو زبان کی بدحالی پر اِن کسٹڈی جیسی مشہور فلمیں بنانے والے فلم پروڈیوسر اسماعیل مرچنٹ 1936 میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ♦ کناڈا کے مشہور بیڈمنٹن کھلاڑی انل کول، 1964 میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ♦ 1968 میں تمل ناڈو میں دلتوں کو زیادہ اجرت دینے کی مخالفت کرتے ہوئے 42 دلتوں کو زندہ جلا کر مار دیا گیا۔ ♦ صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ کا 1994 میں 78 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

26 دسمبر: یہ دن برطانیہ اور دوسرے کئی ملکوں میں باکسنگ ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے جس میں تحفوں کے باکس ملازمین، تاجروں، اور مزدوروں وغیرہ کو تحفتاً دیے جاتے ہیں جن میں کپڑے، کھانے پینے کی چیزیں یا دوسرے تحفے بھرے ہوتے ہیں۔ ♦ 2004 میں بحر ہند کی تہہ میں آنے والے زلزلے سے جس کی پیمائش ریختر اسکیل پر 9.3 تھی اتنی زبردست سمندری لہریں اٹھیں کہ انڈونیشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ، ہندوستان اور دور مغرب میں افریقی ملک سومالیہ سمیت ایک درجن ملکوں کے ساحلوں پر رہنے والے 230000 لوگ موت منھ میں چلے گئے۔ اس سمندری لہر کو سونامی Tsunami بھی کہا جاتا ہے۔ ♦ عوامی جمہوریہ چین کے بانی اور چین کے مشہور کمیونسٹ لیڈر اور شاعر

ماؤتزے تنگ چین کے صوبہ ہونان میں 1893 میں پیدا ہوئے۔♦ 1925 میں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی قائم ہوئی۔♦ صدر جمہوریہ ڈاکٹر شنکر دیال 1999 میں 81 سال کی عمر میں انتقال کر گئے

27دسمبر:1831 کو چارلس ڈارون سمندری جہاز بیگل پر پانچ سال تک دنیا بھر میں گھوم کر جانوروں اور درختوں کی قدیم باقیات Fossils جمع کرنے کی مہم کے لیے پلائی موتھ، انگلینڈ سے روانہ ہوئے اور اس مہم کی تکمیل پر انھوں نے ایک کتاب 'آن دی اوریجن آف اسپیسیز بائی مینس آف نیچرل سلیکشن' On the Origin of Species by Means of Natural Selection لکھی جو 1859 میں شائع ہوئی۔ حالانکہ ڈارون کی سخت نکتہ چینی ہوئی اور ان کا اچھا خاصا مذاق بھی اڑایا گیا مگر اس کتاب نے زمین پر زندگی کے ارتقا کے بارے میں تمام پرانے نظریوں کو بدل کر رکھ دیا۔♦ افریقی ملک روانڈا میں تتسی قبیلے کے آٹھ لاکھ لوگوں کا قتل عام ہونے کے بعد

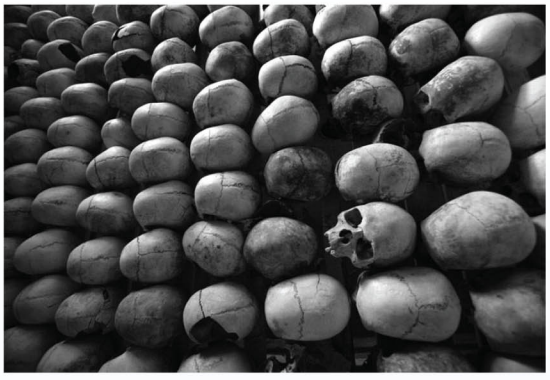

روانڈا نسل کشی میں قتل ہونے والے افریقیوں کی کھوپڑیاں

1996 میں نسل کشی کا مقدمہ شروع ہوا۔ 1991 میں شروع ہونے والی اس خانہ جنگی کے دوران جو کہ ہوتو اور تتسی قبیلوں کے بیچ شروع ہوئی تھی، ہوتو قبیلے نے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور تتسو قبیلے کی نسل کو ختم کرنے کی مہم 'نسلی صفائی' کے نام پر شروع کردی تھی جس میں آٹھ لاکھ لوگوں کو قتل کردیا گیا۔♦ جدید علم فلکیات Astronomy کی بنیاد رکھنے والے جرمن ماہر فلکیات جو ہانیس کیپلر، جرمن شہر وٹم برگ میں 1571 میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے پتہ لگایا کہ زمین اور دوسرے سیارے سورج کے گرد پوری طرح گول نہیں بلکہ انڈے جیسے گول دائرے میں گھومتے ہیں۔♦ بہار کی چسنالہ کوئلہ کھان میں 1975 میں اس روز ایک دھماکہ کیا گیا تو زمین کے اندر اچانک پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا اور اس میں ڈوب کر اندر کام کرنے والے 350 سے زیادہ لوگوں کی موت ہوگئی۔

28دسمبر:1984 کو راجیو گاندھی کی قیادت میں کانگریس نے عام انتخابات میں لوک سبھا کی تین چوتھائی سے زیادہ (506 میں سے 404) سیٹیں جیتنے کا زبردست ریکارڈ بنایا۔

29دسمبر:1930 کو ڈاکٹر محمد اقبال نے الہ آباد میں ایک صدارتی خطبے میں پہلی بار دو قومی نظریہ کا خاکہ پیش کیا جو بعد میں ہندوستان کی افسوس ناک تقسیم کی بنیاد بن گیا۔

30دسمبر:1993 کو یہودیوں کے واحد ملک اسرائیل اور رومن کیتھولک عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ کی ویٹیکن میں قائم حکومت کے درمیان ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کے معاہدے پر دستخط کئے گئے اور یوں دونوں مذہبی فرقوں کے درمیان دو ہزار سال سے جاری دشمنی کا دور ختم ہوا۔♦ مشہور انگریز مصنف رڈیارڈ کپلنگ 1865 میں ممبئی میں پیدا ہوئے۔ وہ شاعر اور ناول نگار تھے اور بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی کتاب 'جنگل بک' بے حد مشہور ہوئی۔♦ 1906 میں ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی جس نے بعد میں پاکستان بنوایا۔

31دسمبر:1879 کو تھامس ایڈیسن نے اپنی تجربہ گاہ میں تیار کیا گیا روشنی دینے والا بجلی کا بلب مین لو پارک، نیوجرسی، امریکہ میں عوام کو روشن کر کے دکھایا۔♦ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی 1600 میں چارٹر ہوکر وجود میں آئی۔♦ راجیو گاندھی نے 1984 میں ہندوستان کے چھٹے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔□

محمد اسد اللہ

کتّے

کتّے ہیں سب دیکھے بھالے
کیونکہ ہم نے بھی ہیں پالے
کاٹنے والے بھونکنے والے
چتکبرے اور پیلے کالے
طرح طرح کے ہوتے ہیں یہ
کچھ کھوسٹ کچھ نئے نرالے
گھروں کے چوکیدار بھی ہیں یہ
کھیتوں کے بھی ہیں رکھوالے
مالک کے سب وفادار ہیں
اسی لیے لوگوں نے پالے
جھگڑ پڑے تو آسمان کو
بھونک بھونک کر سر پہ اٹھالے
اسی لیے لڑتا ہر کتا
کوئی نہ بڑھ کر اس سے کھالے

♦ محمد اسد اللہ 30 گلستاں کالونی نزد پانڈے لانس جعفر نگر ناگپور 440013

مرغی

کٹ کٹ کرتی آئی مرغی
چونچ میں دانہ لائی مرغی
چوزے دوڑے دوڑے آئے
ماں کے منہ سے دانے پائے
ہوگئے خوش وہ دانے کھاکر
ماں سے بولے شور مچاکر
کیوں آئی ہو دیر سے گھر میں
چوٹ لگی ہے کیسے سر میں
ماں نے کہا جب بندر آئے
سیدھے گھر کے اندر آئے
ڈر کر میں نے دوڑ لگائی
اک پتھر سے ٹھوکر کھائی
چوٹ سے میری مت گھبراؤ
آؤ بچو کھانا کھاؤ
بچے چوں چوں چوں چلّائے
لوٹ کے رومی گھر کو آئے

♦ محمد فضل اللہ رومی 43 برنکرہ فورتھ اسٹریٹ آمبور ڈسٹرکٹ ویلور 635802 تمل ناڈو

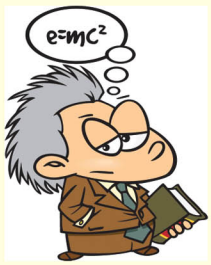

آپ کے سوال

ڈاکٹر بقراط کے جواب

ڈاکٹر بقراط عجیب شخصیت کے مالک ہیں۔ کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب ان کے پاس نہ ہو۔ مشکل بس یہ ہے کہ ان کے دماغ کی زنبیل میں جواب تو بہت سے ہیں، لیکن سوالوں سے ان کا ذہن خالی ہو گیا ہے۔ بچوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے پاس پوچھنے کے لیے ہمیشہ بہت سے سوال رہتے ہیں۔ یہ کیا ہے، وہ کیوں ہے، یہ کیوں نہیں ہے، وہ کس لیے ہے، کس کے لیے ہے... یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب ملنے سے نئے سوال سامنے آتے ہیں، اور یوں سوالوں کے ساتھ ساتھ آپ کے علم و معلومات میں اضافے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر بقراط آپ کے سوالوں کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔ ان سے بات کریں گے میاں افلاطون جو ایک مشہور طالب علم ہیں اور ایک ہی کلاس میں لگاتار فیل ہونے کا عالمی ریکارڈ بنانے والے ہیں!

میاں افلاطون: ڈاکٹر صاحب آداب۔ بعد آداب کے عرض ہے کہ میں آج کل خیریت سے نہیں ہوں...

ڈاکٹر بقراط: ارے ارے خیریت تو ہے، خیریت کیوں نہیں۔

افلاطون: جب سے آپ کے ساتھ سوال جواب کا یہ سلسلہ شروع ہوا ہے، اور جس طرح ہمارے پڑھنے والوں کے چھوٹے سے سوال کا جواب بھی آپ پوری تفصیل سے دیتے ہیں، اس سے میری کیفیت کچھ عجیب ہوتی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر بقراط: ارے... مگر یہ تو بتاؤ ہوا کیا؟

افلاطون: میرے دماغ میں آج کل طرح طرح کے سوال آنے لگے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر سوچنے بیٹھ جاتا ہوں کہ یہ کیا ہے، وہ کیا ہے... کل ہی کی بات لے لیجیے۔ سوچنے بیٹھ گیا کہ چڑیاں چوں چوں کیوں کرتی ہیں۔ کتے بھونکتے کیوں ہیں۔ طوطے ٹیں ٹیں کیوں کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر بقراط: بھئی واہ۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اسی طرح سوچتے رہو۔ ایک دن کچھ ڈھنگ کے سوال بھی سوجھنے لگیں گے۔

افلاطون: مجھے یقین تھا آپ کچھ اسی طرح کی بات کہیں گے۔ خیر، پہلا سوال سنیے۔ اورنگ آباد مہاراشٹر سے فیصل علی پوچھتے ہیں کہ زمین پر انسان کی بنائی ہوئی سب سے بڑی چیز کیا ہے؟ چین کی دیوار یا آئیفل ٹاور؟

ڈاکٹر بقراط: چین کی دیوار ہر لحاظ سے اس زمین پر انسان کے ہاتھوں ہونے والی سب سے بڑی تعمیر ہے۔ اگر کوئی شخص خلا سے زمین کی طرف روانہ ہو تو اس سیارے پر انسان کی بنائی ہوئی عمارتوں میں سب سے پہلے اسے چین کی ہزاروں میل لمبی دیوار دکھائی دے گی جو آج سے 2700 سال پہلے بننا شروع ہوئی تھی اور کئی صدیوں تک اس کے الگ الگ حصے بنتے اور ٹوٹتے رہے۔ اس کی کل لمبائی کتنی ہے اس کا علم خود اسے بنانے والوں کو بھی نہیں تھا۔ چین کے لوگ اسے لا

متناہی Infinite دیوار کہتے تھے۔ یعنی وہ دیوار جس کی کل لمبائی کو عقل کے پیمانوں سے ناپنا مشکل ہے۔ اسے دیوارِ اعظم The Great Wall بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کئی دیواروں کا مجموعہ ہے۔ اس میں سب سے بڑی منگ دیواریں ہیں جن کی مجموعی لمبائی 8850 کلومیٹر ہے۔ شمال سے مغرب کے رخ پر سرحدوں کے اوپر یہ دیواریں باہر کے حملوں کو روکنے مقصد سے بنائی گئی تھیں لیکن بعد میں ان کا استعمال سامان لے جانے پر لگنے والے ٹیکس کی وصولی اور سرحدی معاملوں کے انتظام کے لیے بھی کیا جانے لگا۔ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے کیے گئے ایک آرکیالوجیکل سروے archaeological survey میں اس عظیم دیوار کی تمام شاخوں کو ملا کر کل لمبائی 21196 کلومیٹر ناپی گئی ہے جب کہ ہماری زمین کا قطر Diameter صرف 12,742 کلومیٹر ہے۔ دیوار میں اتار چڑھاؤ اتنا زیادہ ہے کہ تھوڑا فاصلہ بھی پیمائش میں لمبا ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف آئیفل ٹاور 1887 میں بننا شروع ہوا اور دو سال میں اس کی تعمیر پوری ہوگئی۔ کچھ برسوں تک 300 میٹر سے کچھ زیادہ اونچے اس فولادی مینار کو انسان کی بنائی ہوئی سب سے اونچی عمارت تسلیم کیا جاتا رہا جسے فرانسیسی انجینیر گستاو آئیفل نے ڈیزائن کیا تھا۔ لیکن بعد میں اس سے بھی اونچی عمارتیں بن گئیں جن میں دوبئی کے برج الخلیفہ کی اونچائی سب سے زیادہ ہے۔ 828 میٹر اونچا یہ مینار دو عدد آئیفل ٹاوروں سے بھی زیادہ بلند ہے۔

▲ آئیفل ٹاور کے ڈیزائنر گستاو آئیفل کی السٹریشن جس میں اس کے مینار اور اہرام مصر کی اونچائی کے فرق کو دکھایا گیا ہے

افلاطون: بہت خوب۔ زمین سے ہی متعلق ایک سوال حیدرآباد سے مہتاب علی نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے کہیں سنا تھا کہ زمین اپنے اندر سورج چھپائے ہوئے ہے۔ کیا یہ صحیح۔

ڈاکٹر بقراط: مہتاب میاں جہاں تک سورج کے درجہ حرارت کا تعلق ہے تو خاصے شاعرانہ انداز میں کہی گئی یہ بات بالکل صحیح ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہ زمین سورج سے الگ ہو کر بنی تھی، اور کروڑوں سال بعد یہ ٹھنڈی ہوئی تب اس پر زندگی پیدا ہوئی۔ لیکن اندر سے زمین ابھی تک گرم ہے۔ اس کی اوپری سطح یعنی crust کے نیچے لاوے کا ایک سمندر ہے جو آتش فشاں پہاڑوں سے رہ رہ کر باہر آتا رہتا ہے۔ اس لاوے کے اندر اور بھی تیز آگ ہے اور اس کا درجۂ حرارت سورج کے درجۂ حرارت 5778 ڈگری سے بھی زیادہ یعنی 7,500 ہے۔ لیکن بات صرف سورج کی اوپری سطح Corona کے نچلے حصے تک ہی رہ جاتی ہے جسے Photosphere کہتے ہیں۔ ورنہ سورج کے مرکزی حصے Core کا درجۂ حرارت سائنس دانوں کے تخمینے کے مطابق ایک کروڑ 57 لاکھ ڈگری ہے۔ یعنی زمینی مرکزے کے درجۂ حرارت سے ہزروں گنا زیادہ۔

افلاطون: اف! اتنی گرمی میں تو آئس کریم بھی پگھل جائے۔ کیا سورج پر سردی کا موسم نہیں آتا۔

ڈاکٹر بقراط: گڈ۔ یہ اچھا اور مزے دار سوال ہے۔ لیکن میرے عزیز سورج کوئی سیارہ نہیں ستارہ ہے۔ اور ستارے کسی دوسرے ستارے کی گرمی کے محتاج نہیں ہوا کرتے۔ وہ تو خود اپنی توانائی سے گرم رہتے

ہیں، لہٰذا ان پر سردی کا تو کیا کسی بھی موسم کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

افلاطون: احمد آباد سے انیس الرحمٰن کا سوال اولمپک کھیلوں کے بارے میں ہے۔ پوچھتے ہیں اولمپک کھیلوں کو سمر اولمپک Summer Olympic کیوں کہتے ہیں۔

ڈاکٹر بقراط: دراصل اولمپک دو موسموں میں ہوتے ہیں۔ موٹے طور پر یہ سمجھ لیجیے کہ جو کھیل گرمی کے موسم میں آرام سے کھیلے جاسکتے ہیں ان کے لیے سمر اولمپک ہوتا ہے اور یہی بڑا اولمپک ہے۔ جو کھیل موسم سرما یا سردی میں برف پر کھیلنے لائق ہیں، مثلاً اسکی انگ، آئس ہاکی وغیرہ ان کے لیے ونٹر winter اولمپک کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں اولمپک ہر چار سال بعد ہوتے ہیں لیکن سمر اولمپک اس سال ہوتا ہے جسے عام طور پر لوند کا سال Leap Year کہتے ہیں اور جس میں فروری کا مہینہ 29 دن کا ہوتا ہے۔ مثلاً 2004، 2008، 2012، 2016 وغیرہ۔ ایک پہچان سمر اولمپک والے سال کی یہ ہے کہ وہ چار کے ہندسے سے پوری طرح تقسیم ہو جاتا ہے۔ لوند کے سال بھی یہی پہچان ہے۔ دوسری طرف ونٹر اولمپک بھی اگر چہ چار سال بعد ہی ہوتے ہیں لیکن سمر اولمپک کے دو سال بعد! مثلاً 2006، 2010، 2014 وغیرہ۔ اولمپک دراصل قدیم زمانے میں یونان میں ہوا کرتے تھے جن میں صرف کھیل کے ہی نہیں دوسرے فنون کے بھی مقابلے ہوتے تھے مثلاً مصوری، تقریر، اداکاری وغیرہ۔ جدید اولمپک کا آغاز 1896 میں یونان سے ہی ہوا اور یہ صرف کھیل کے ذریعہ دنیا کے لوگوں میں دوستی پھیلانے کے مقصد سے شروع کیا گیا۔ تب سے اب تک پہلی عالمی جنگ میں 1916 اور دوسری عالمی جنگ میں 1940 اور 1944 کو چھوڑ کر کبھی اس کھیل میں ناغہ نہیں ہوا۔ ونٹر اولمپک کی ابتدا 1924 میں ہوئی اور یہ 1992 تک سمر اولمپک والے سال میں ہوتے رہے لیکن 1986 کے ایک فیصلے کے تحت ان کھیلوں کا چار سال کا دورانیہ cycle سمر اولمپک سے الگ کر دیا گیا اور 1992 کے بعد اگلا ونٹر اولمپک 1994 میں ہوا۔ تب سے یہ سلسلہ یوں ہی چلا آرہا ہے۔ ہندوستان نے ان کھیلوں میں 1964 سے حصہ لینا شروع کیا لیکن 1980 سے 1994 تک پانچ مقابلوں میں ہم حصہ نہیں لے سکے۔ پاکستان نے 2010 سے ہی ونٹر اولمپک میں جانے کی شروعات کی ہے۔ ہماری حصہ داری زیادہ تر اسکی انگ کے مقابلوں تک محدود ہے اور ابھی تک کوئی تمغہ ہم نے ونٹر اولمپک میں نہیں جیتا ہے۔

افلاطون: اب بس ایک سوال کی گنجائش ہے۔ بھوپال سے عرفان اختر پوچھتے ہیں کہ اکثر پنسلوں پر HB کے حروف کیوں لکھے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر بقراط: لکڑی اور گریفائٹ والی پنسل، لکھنے کے اوزاروں میں انسان کی سب سے اہم ایجاد ہے۔ یوروپ وغیرہ میں پنسلوں کی خوبیوں کے لحاظ سے ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے جس میں H سے مراد ہے Hardness یعنی سختی اور B کا مطلب ہے Blackness یا کالا پن۔ عام پنسل کو یا یوں سمجھ لیجیے کہ لکڑی کی سختی اور گریفائٹ کے کالے پن کے معاملے میں اوسط درجہ کی پنسل کو HB کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ خاکہ نگاروں مصوروں وغیرہ کے کام آنے والی پنسلوں کے الگ گریڈ ہوتے ہیں مثلاً، H9B یا 4H 6B وغیرہ۔

افلاطون: میرا خیال ہے آج بس اتنا ہی۔ حالانکہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ اتنے مختصر جواب سے آپ کی تسلّی نہیں ہوئی ہے۔ مگر چلیے باقی پنسل پھر کبھی سہی! □

قلم کاروں سے اہم گزارش

• بچوں کی دنیا کے لیے کچھ بھی لکھتے وقت سادہ زبان اور آسان ترین لفظوں کا استعمال فرمائیں۔ • انگریزی لفظوں کو انگریزی میں بھی صاف صاف لکھیں۔ • بے وزن و بے بحر شعری تخلیقات نہ بھیجیں۔ • کسی بھی موضوع پر لکھنے سے پہلے شعبۂ ادارت سے ضرور مشورہ کر لیں • ہاتھ سے لکھے مضامین صرف اے فور A4 سائز کے کاغذ پر بھیجیں۔

راجندر کرشن (مرحوم)

مرغے نے جھوٹ بولا

مرغے نے جھوٹ بولا
مرغے کی چوں چوں ہو گئی
بکری نے جھوٹ بولا
بکری کی پوں پوں ہو گئی

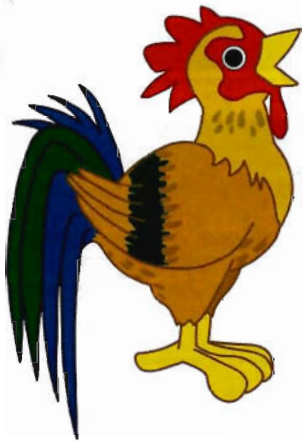

متھرا میں تین بندر
جاتے تھے روز مندر
کہتا جو بات پجاری
رکھتے وہ یاد ساری
برا کبھی نہ دیکھو
برا کبھی نہ بولو
بات جہاں ہو بری
کان وہاں نہ کھولو

دلّی کا ایک کوّا
چڑیا سے اک دن بولا
آؤ پکائیں کھچڑی
مل جل کے کھائیں کھچڑی
چاول کا دانا میرا
مونگ کا دانا تیرا
لینے گیا وہ پانی
چڑیا تھی چور کی نانی
چپکے سے کھا کے دانا
چکّی میں کیا ٹھکانا
کوے نے چکّی پیسی
آئی آواز سی سی

چڑیا نے چوری کی تھی
چڑیا کی سوں سوں ہو گئی

مرغے نے جھوٹ بولا
مرغے کی چوں چوں ہو گئی
بکری نے جھوٹ بولا
بکری کی پوں پوں ہو گئی

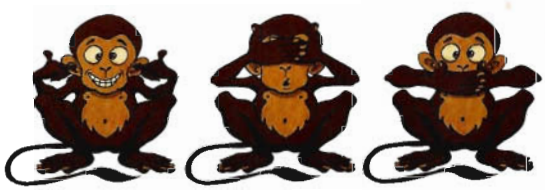

جس نے برائی سیکھی
اس کی تو یوں یوں ہو گئی

قسط وار ناول

□ جولز ورنے • مترجم: صفدر حسین

اَسّی دِن کا سفر

فرانسیسی مصنف ، شاعراور ڈرامہ نویس جولز گیبرئیل ورنے Jules Gabriel Verne دنیا میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ناول نگاروں میں شامل ہیں۔ جاسوسی ناول نگار اگاتھا کرسٹی کے بعد جولز ورنے دنیا کے دوسرے مصنف ہیں جن کی کتابوں کا سب سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ ان کے ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں جن میں اراؤنڈ دی ورلڈ ان ایٹی ڈیز Around the World in Eighty Days بہت مشہور ہوئی۔ یہ ایک ایسے شریف انسان فلیس فوگ Phileas Fogg کی مہم جوئی کا قصہ ہے جو لندن کے ایک کلب میں تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کے ایک ایسے زمانے میں صرف اسّی دن کے اندر دنیا کا پورا ایک چکّر لگانے کی شرط قبول کر لیتا ہے جب ہوائی جہاز اور موٹریں نہیں تھیں اور پانی کے جہاز بھاپ سے چلتے تھے۔ جیسے ہی فلیس فوگ اپنے فرانسیسی خادم ژاں پاسپرٹو Jean Passepartout کو ساتھ لے کر شرط کے مطابق اپنا سفر شروع کرتا ہے پولیس اسے ڈاکو سمجھ کر پیچھے لگ جاتی ہے اور یوں طرح طرح کی رکاوٹوں سے بھرا اس کا سفر بالآخر مکمل ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وقت کے معاملے میں پہلی مرتبہ فلیس فوگ سے ایک غلطی ہوگئی ہے اور وہ بظاہر شرط ہار جاتا ہے۔ لیکن تبھی ایک حیرت انگیز سچّائی سامنے آتی ہے جسے جان کر آپ حیران رہ جائیں گے کہ ارے! یہ تو ہم نے سوچا ھی نہیں تھا! مدیر

اب تک کی کہانی: یہ 1872 کی کہانی ہے۔لندن میں ایک مالدار شخص فلیس فوگ جو وقت ، ضابطوں اور قول کا سخت پابند اور شریف انسان تھا ایک بڑے گھر میں تنہا رہتا تھا جہاں اس کے اکیلے ملازم کو سارے کام مشین کی طرح قاعدے سے کرنے پڑتے تھے۔ 2 اکتوبر کو بے چارے نوکر کی شامت آئی تو اس نے مالک کو شیو کے لیے 86 ڈگری کی بجائے 84 ڈگری کا گرم پانی لاکر دے دیا۔فوگ نے اسے نکال کر ایک فرانسیسی شخص ژاں پاسپرٹو کو ملازم رکھ لیا جو بے وقوف مگر ایماندار اور وفادار آدمی تھا۔ اسی روز فوگ اپنے 'ریفارم کلب' پہنچا تو اس کے دوست تین روز پہلے 29 ستمبر کو بنک آف انگلینڈ میں پڑی ڈکیتی کے بارے میں بات کرنے لگے۔ان کا خیال تھا کہ ڈاکو نہ جانے کہاں ہوگا اور اتنی بڑی دنیا میں اسے ڈھونڈ پانا اب ممکن نہیں۔ مگر فوگ کا کہنا تھا کہ انسان کی رفتار نے دنیا کو مختصر کردیا ہے اور وہ اسّی روز میں پوری دنیا کا چکّر لگا سکتا ہے۔اس کا دوست اسٹیوارٹ اور دوسرے لوگ اس پر شرط بدنے کو تیار ہو گئے اور فوگ نے 20 ہزار پونڈ کی شرط قبول کر لی۔ شرط کے مطابق فوگ کو اسی روز 2 اکتوبر بدھ کو سفر پر روانہ ہونا تھا جس کے بعد 21 دسمبر سنیچر کی رات 8 بج کر 45 منٹ تک واپسی پر وہ

شرط جیت سکتا تھا۔ فوگ اسی رات اپنے خادم پاسپرٹو کو ساتھ لے کر دنیا کے سفر پر نکل پڑا۔ ادھر لندن میں اس سفر کی دھوم مچ گئی۔ شرط پر عام بحث ہونے لگی۔ کچھ لوگ فوگ کے حامی تھے تو کچھ خلاف۔ خفیہ پولیس کا جاسوس فکس ان کے پیچھے لگ گیا اور پاسپرٹو کو دوست بنا کر فوگ کی جاسوسی شروع کر دی۔ سوئیز نہر سے یہ لوگ عدن اور پھر بمبئی پہنچے۔ وہاں سے کلکتہ جانے والی ٹرین پر سوار ہوئے تو راستے میں ریل لائن مکمل نہ ہونے پر فوگ اور اس کے نئے دوست سر فرانسس اور پاسپرٹو کو کچھ سفر ہاتھی پر کرنا پڑا۔ راستے میں ایک عجیب واقعے نے انھیں روک لیا۔ ایک جوان بیوہ عورت کو جو بے ہوش تھی اس کے بوڑھے شوہر کی موت کے بعد زندہ جلانے یعنی ستی کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ فوگ نے اسے ستی ہونے سے بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پڑھی لکھی عورت کو جس کا نام آؤدا تھا نشے کی چیزیں دی گئی تھیں۔ فوگ نے بہت چاہا کہ کسی طرح اسے چھڑا لے۔ لیکن اس میں بہت خطرہ تھا۔ تب اس کے خادم نے وہ ہمت دکھائی کہ فوگ بھی دنگ رہ گیا۔ پاسپرٹو رات کے اندھیرے میں بوڑھے راجا کی ارتھی میں گھس گیا اور صبح کو جب چتا پر راجہ کے پاس آؤدا کو لٹا کر آگ لگائی گئی تو پاسپرٹو بے ہوش عورت کو اٹھا کر دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ لوگ اسے چمتکار سمجھے اور جب تک ان کی سمجھ میں کچھ آتا آؤدا ان کی پہنچ سے باہر ہو چکی تھی۔ کلکتہ پہنچ کر یہ لوگ سمندری جہاز سے آگے بڑھنے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ فکس نے پاسپرٹو کو بمبئی میں مندر کے پجاریوں سے جھگڑنے کے معاملے میں گرفتار کرا دیا۔ سفر میں ایک بڑی رکاوٹ آ گئی۔ لیکن اگلی صبح عدالت میں پاسپرٹو پر کیے گئے بھاری جرمانے کی رقم ادا کر دی اور وقت پر بندرگاہ پر پہنچ کر آگے روانہ ہو گیا۔ اب آگے:

ہانگ کانگ کو روانگی

'رنگون' جہاز 'منگولیا' سے زیادہ تیز رفتار تو تھا لیکن اتنا آرام دہ نہ تھا۔ کلکتہ سے ہانگ کانگ 3500 میل کا فاصلہ طے کرنے میں اسے دس بارہ دن سے زیادہ نہ لگتے تھے۔

سمندری سفر کے ابتدائی دنوں میں آؤدا نے فلیس فوگ سے بہت سی باتیں کیں، وہ سارا وقت خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا اور کوئی خاص دل چسپی نہیں دکھائی۔ اس کی شخصیت آؤدا کے لئے بھی ایک معمہ بنی ہوئی تھی۔ اس وقت تک آؤدا کے ذہن سے ستی کے واقعات مٹ چکے تھے۔ بھنگ کا نشہ بھی پوری طرح اتر چکا تھا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت اور حسین نظر آ رہی تھی۔ جب ہوش و حواس پوری طرح ٹھیک ہو گئے تو اس نے فلیس فوگ کو بتلایا کہ اس کا ایک چچا بمبئی میں رہتا ہے جو روئی کا بہت بڑا تاجر ہے۔ ہانگ کانگ میں رشتہ کا ایک بھائی ہے، اب وہ اسی کے پاس جائے گی۔

موسم بہت خوشگوار تھا اور سمندر بڑا پُرسکون۔ جہاز خلیج بنگال سے نکل کر آہستہ آہستہ سنگاپور کی سمت چل رہا تھا۔

'رنگون' جہاز کے سنگاپور پہنچنے سے ایک دن پہلے سراغ رساں فکس اپنے کیبن سے نکل کر ڈیک پر آیا تاکہ پاسپرٹو سے مل کر اس کے آقا کے بارے میں معلوم کیا جائے۔ اس کے سر پر چور کی گرفتاری کا بھوت جو سوار تھا۔ اسے یقین تھا کہ ہانگ کانگ پر تو چور کی گرفتاری کا وارنٹ ضرور آ جائے گا۔ کلکتہ سے رونگی کے بعد سے وہ کیبن میں ہی بند پڑا تھا۔

ڈیک پر جیسے ہی پاس پرٹو کی نظر فکس پر پڑی، پاسپرٹو نے پوچھا ''ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں تو سمجھا تھا کہ تم بمبئی میں ہوگے۔ کیا تم بھی دنیا کا چکر لگا رہے ہو؟''

''نہیں نہیں۔'' فکس نے جواب دیا'' میں تو ہانگ کانگ میں ٹھہرنا چاہتا ہوں، صرف چند روز کے لیے۔''

''ہونہہ! لیکن یہ کیا بات ہے کہ میں نے کلکتہ سے یہاں تک جہاز پر تمہیں کبھی نہیں دیکھا؟'' پاسپرٹو نے پوچھا۔

''اصل میں قصہ یہ ہے کہ میں کچھ بیمار ہوگیا تھا۔ یہ خلیج بنگال کی آب وہوا مجھے کچھ راس نہیں آتی۔ اچھا تمہارے مالک کی طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے، اور سنو، اس کے سفر میں ابھی تک ایک دن کی بھی دیر نہیں ہوئی، وہ برابر وقت پر سفر کر رہا ہے۔''

پھر پاسپرٹو نے فکس سے بمبئی کے مندر کا حادثہ، دو ہزار پونڈ میں ہاتھی کی خریداری کا واقعہ، آؤدا کی رہائی، کلکتہ کی عدالت میں قید جرمانہ کی سزا اور ضمانت پر رہائی۔ سب جوں کا توں بیان کر دیا۔ فکس نے یہ سارے واقعات سن کر ایسا ظاہر کیا جیسے کہ وہ کچھ جانتا ہی نہیں۔ پاسپرٹو بھی اس بات سے خوش تھا کہ اسے ایک اچھا ہم سفر مل گیا۔

کچھ دیر بعد پھر فکس نے کریدتے ہوئے پوچھا'' کیا تمہارا آقا اس عورت کو اپنے ساتھ یورپ لے جائے گا؟''

''اوہ، نہیں'' پاس پرٹو نے جواب دیا۔'' ہم تو اسے صرف ہانگ کانگ تک لے جا رہے ہیں، اس کا ایک رشتہ دار رہتا ہے وہاں۔''

فکس نے کہا'' وہاں کچھ اور کام تو نہیں ہے؟ چلو، شراب کا ایک دور ہی ہو جائے۔''

''کیوں نہیں، ہم 'رنگون' جہاز پر کچھ اور نہ سہی، دوستی کا ایک جام تو چڑھا لیں۔''

اس ملاقات کے بعد پاسپرٹو اور فکس جہاز کے ڈیک پر اکثر ملتے رہے لیکن فکس نے کچھ اور معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

پاسپرٹو فکس کی عجیب حرکات کی وجہ یہ سوچنے لگا کہ یہ شخص تو ہر جگہ دکھائی دے جاتا ہے۔ سوئز سے یہاں تک سایہ کی طرح برابر ساتھ چلا آرہا ہے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ شاید 'ریفارم کلب' کے ممبروں نے اسے بھیجا ہوگا تاکہ وہ فلیس فوگ کا پیچھا کر کے یہ معلوم کرے کہ واقعی وہ دنیا کا سفر کرتا بھی ہے یا نہیں؟ جیسے جیسے وہ فکس کی حرکات پر غور کرتا گیا اس کا یہ شبہ یقین میں بدلتا گیا کہ ضرور کلب کے ممبروں نے ہی فلیس فوگ کی نگرانی کے لئے ایک جاسوس بھیجا ہے۔ پھر اس نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا کہ وہ اس بارے میں اپنے آقا سے تو کچھ نہ کہے گا، مگر فکس کی کڑی نگرانی بھی کرتا رہے گا۔

30 اکتوبر کو بدھ کے دن، سہ پہر میں 'رنگون' آبنائے ملاکا سے گزرا جو سماترا جزیرہ کو ملایا سے الگ کرتا ہے۔

دوسرے دن صبح 4 بجے مقررہ وقت سے بارہ گھنٹے پہلے ہی جہاز سنگاپور پہنچ گیا۔ فلیس فوگ نے اپنی ڈائری میں وقت درج کر لیا۔ آؤدا نے شہر کی سیر کرنے کی خواہش ظاہر کی تو فلیس فوگ اس کے ساتھ ہولیا۔ انھیں اس بات کا بالکل پتہ نہ تھا کہ فکس بھی ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ پاسپرٹو بھی سامان خریدنے کے لئے بازار چلا گیا اور کچھ دیر بعد واپس آکر 'رنگون' جہاز کے ڈیک پر دونوں کا انتظار کرنے لگا۔ دو گھنٹہ تک شہر سنگاپور کی سیر کرنے کے بعد فلیس فوگ اور آؤدا ٹھیک دس بجے جہاز پر سوار ہوگئے۔ فکس برابر ان کی حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

کوئلہ لینے کے بعد جہاز گیارہ بجے سنگاپور کی بندرگاہ سے چل پڑا۔ سنگاپور سے ہانگ کانگ کا جزیرہ کوئی 1300 میل دور ہوگا۔

فلیس فوگ کو یقین تھا کہ وہ لوگ چھ دن میں ہانگ کانگ پہنچ

جائیں گے اور دوسرے دن یعنی 6 نومبر کو یوکوہاما جانے کے لئے انھیں دوسرا جہاز مل جائے گا لیکن جب 'رنگون' جہاز سنگاپور سے روانہ ہوا تو اس میں کافی سامان اور کوئلہ لدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے درجہ کے بہت سے چینی، ملایا کے، سیلون کے، پُرتگالی اور ہندوستانی مسافر بھی سوار ہوگئے تھے۔ شروع شروع میں سفر بہت آرام دہ رہا۔ لیکن بعد میں یکا یک موسم بدل گیا۔ تیز ہواؤں اور اونچی نیچی موجوں کی وجہ سے سمندر میں طوفان آ گیا۔ یہ دیکھ کر کپتان نے جہاز کی رفتار کم کردی تو پاسپرٹو اس پر بگڑنے لگا۔ لیکن فلیس فوگ نے کسی قسم کی بے صبری یا پریشانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ ہمیشہ کی طرح خاموش اور پُرسکون رہا۔

جہاز پر ایک دن پاسپرٹو کو اکیلا دیکھ کر فکس نے پوچھا ''ایسا لگتا ہے کہ تمہیں ہانگ کانگ جانے کی بہت جلدی ہے۔''

''ہاں یقیناً جلدی ہے'' پاسپرٹو بولا۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا مالک پوری دنیا کا سفر کر سکے گا۔''

''ہاں، بے شک کیوں نہیں۔ کیا تمہیں اس میں کچھ شبہ ہے؟''

''مجھے ذرا بھی یقین نہیں۔'' فکس بولا۔ ''یہ سب بہانہ ہے۔''

''تم بہت شیطان ہو۔ لیکن تم ہمارے ساتھ یوکوہاما تک آ رہے ہو؟'' پاسپرٹو ہنسنے لگا۔

فکس یہ جواب سن کر کافی پریشان ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں پاسپرٹو کو اس کے سراغ رساں ہونے کا پتہ تو نہیں چل گیا۔

پھر اس نے بے تکلفی سے کہا: ''میں خود نہیں جانتا کیونکہ میں تو اپنے ذاتی خرچ پر سفر نہیں کرتا۔''

یہ سن کر پاسپرٹو نے شرارت سے کہا: ''اوہ! مجھے یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اور پھر وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

اس گفتگو کے بعد فکس فوراً اپنے کیبن میں گیا۔ وہ مستقل سوچ رہا تھا۔ پاسپرٹو یقیناً یہ جان گیا ہے کہ وہ ایک سراغ رساں ہے۔ تو پھر کیا اس نے اپنے مالک سے یہ سب کچھ کہہ دیا ہوگا؟ آخر اس چوری سے پاسپرٹو کا کیا تعلق ہے؟ کیا وہ بھی بینک کے چوروں میں سے ایک ہے؟ کیا پاسپرٹو اور اس کا آقا اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ بازی ہار چکا ہے۔ فکس نے اسی ادھیڑ بن میں کئی گھنٹے گزار دیے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے؟

فکس کی چال

سفر کے آخری دنوں میں موسم اور بھی خراب ہوگیا۔ طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور جہاز سمندر میں ہچکولے کھانے لگا۔ کپتان نے جہاز کی رفتار اور بھی سست کردی۔ پاسپرٹو کو اس پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ لگ رہا تھا کہ شرط کے بیس ہزار پونڈ اس کو اپنی جیب سے ہی دینے پڑیں گے۔

3 نومبر کو تو تیز ہواؤں نے طوفان کی شکل اختیار کرلی۔ ایسا لگتا تھا کہ اگر ہواؤں کا زور کم نہ ہوا تو جہاز کو ہانگ کانگ پہنچنے میں کم سے کم بیس گھنٹے کی دیر ہوجائے گی اور ایسی صورت میں فلیس فوگ کو یوکوہاما جانے والا جہاز نہ مل سکے گا۔

5 نومبر کو طوفان کا کچھ زور کم ہوا۔ ہوائیں آہستہ آہستہ چلنے لگیں اور آخر 6 نومبر کی صبح خشکی دکھائی دینے لگی۔ فلیس فوگ سمجھ رہا تھا کہ وہ 5 نومبر تک ہانگ کانگ پہنچ جائے گا، لیکن مخالف ہواؤں اور طوفانوں کی وجہ سے ایک دن کی دیر ہوگئی تھی۔ اب اسے یوکوہاما جانے والا جہاز شاید ہی مل سکے گا پھر بھی وہ پریشان نہ ہوا۔ اس نے کپتان سے پوچھا کہ ''یوکوہاما جانے والا جہاز کب ملے گا؟''

کپتان نے جواب دیا ''کل سویرے جائے گا۔''

پھر فلیس فوگ نے پوچھا ''اس جہاز کا نام کیا ہے؟''

''کرناٹک'' کپتان نے کہا ''وہ تو آج ہی روانہ ہونے والا تھا، مگر اس کے ایک انجن میں کچھ خرابی کی وجہ سے اس کی روانگی میں دیر ہوگئی۔''

''شکریہ'' کہتے ہوئے فلیس فوگ اپنے کیبن کی طرف چل دیا۔

اس وقت قسمت نے فلیس فوگ کا ساتھ دیا۔ اگر انجن میں خرابی نہ پیدا ہوتی تو 'کرناٹک' جہاز ایک دن پہلے ہی ہانگ کانگ سے روانہ ہوجاتا اور جاپان جانے کے لئے پھر آٹھ دن بعد ہی اسے دوسرا جہاز ملتا۔

'کرناٹک' جہاز دوسرے دن روانہ ہونے والا تھا۔ اس طرح اب فلیس فوگ کو اتنا وقت مل گیا کہ وہ آؤدا کو ہانگ کانگ میں اس کے رشتہ دار کے ہاں پہنچا دے۔ شہر میں جا کر فلیس فوگ نے آؤدا کے لئے 'کلب ہوٹل' میں ایک کمرا کرایہ پر لیا اور پھر اس کے رشتہ دار کی تلاش میں چل پڑا۔ وہ پاسپرٹو کو ہوٹل پر ہی چھوڑ گیا تا کہ آؤدا اکیلی نہ رہ جائے۔

فلیس فوگ نے سارے شہر کی خاک چھاننے کے بعد واپس آ کر آؤدا کو بتلایا کہ اس کا رشتہ دار دو سال پہلے ہی ہانگ کانگ چھوڑ کر یورپ چلا گیا ہے اور لوگوں کا خیال ہے کہ اب وہ ہالینڈ میں رہتا ہے۔ آؤدا یہ سن کر بہت پریشان ہوگئی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے پوچھا ''اب میرا کیا ہوگا؟''

''یہ کیا مشکل ہے؟'' فلیس فوگ نے کہا ''تم ہمارے ساتھ یورپ چلی چلو۔''

''لیکن! میں تمہیں اب اور زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتی۔''

''اس میں تکلیف کی کیا بات ہے؟'' پھر فلیس فوگ نے اپنے ملازم کی طرف دیکھ کر کہا ''پاسپرٹو جاؤ 'کرناٹک' جہاز پر یوکوہاما کے لئے تین کیبن محفوظ کرادو۔''

پاسپرٹو، تین کیبن محفوظ کروانے کے لئے دوڑا ہوا بندرگاہ کی طرف گیا، لیکن آگے چل کر کچھ ایسی بات ہوگئی کہ صرف ایک ہی کیبن استعمال کیا جاسکا۔ پاسپرٹو جہاز کے دفتر جا رہا تھا کہ اس کی نظر فکس پر پڑی جو گودی پر مایوسی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ مایوسی کی وجہ یہ تھی کہ ہانگ کانگ پر بھی چور کی گرفتاری کا وارنٹ نہیں آیا تھا اور اب اسے یہی خیال ستا رہا تھا کہ اگر وہ فلیس فوگ کو وارنٹ آنے تک ہانگ کانگ میں نہ روک سکا تو پھر شکار اس کی گرفت سے بچ نکلے گا۔

ادھر پاسپرٹو فکس کو دیکھ کر یہ سوچنے لگا کہ 'ریفارم کلب' کا یہ کارندہ ضرور کسی آفت میں مبتلا ہے۔ وہ فکس کے قریب آیا اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''اچھا دوست، کیا تم بھی ہمارے ساتھ امریکہ تک چلو گے؟''

فکس نے جواب دیا ''ہاں''

پاسپرٹو نے بے ساختہ قہقہہ لگایا ''میں جانتا ہوں'' وہ بولا ''تم ہمیں چھوڑ نہیں سکتے۔ چلو تم بھی ایک کیبن محفوظ کرالو۔''

پھر وہ دونوں جہاز کے دفتر گئے۔ پاسپرٹو نے تین کیبن محفوظ کرائے اور فکس نے اپنے لیے ایک کیبن۔ جہاز کے دفتر میں انھیں بتلایا گیا کہ 'کرناٹک' جہاز کا انجن درست ہو چکا ہے اور اب وہ کل صبح روانہ ہونے کی بجائے آج رات آٹھ بجے ہی روانہ ہوجائے گا۔

''بہت خوب'' پاسپرٹو خوش ہوکر بولا ''یہ تو میرے آقا کے لیے بہت ہی اچھا ہوگا، مجھے چل کر اطلاع دینی چاہئے۔''

اسی لمحہ سراغ رساں فکس نے ایک گہری چال چلی۔ اس نے پاسپرٹو پر یہ ظاہر کردینا چاہا کہ وہ کون ہے اور کیا ہے۔ فلیس فوگ کو ہانگ کانگ میں روکے رکھنے کی بس یہی ایک ترکیب تھی۔ جہاز کے دفتر سے باہر نکل کر فکس نے کہا ''ابھی تو کافی وقت ہے چلو چل کر کچھ پئیں۔''

''ہاں چلو! لیکن ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے'' پاسپرٹو نے جواب دیا۔

وہ دونوں ہوٹل کے ایک بڑے ہال میں گئے۔ اس ہال کے ایک کونے میں بڑے بستر پر بہت سے لوگ سوتے پڑے تھے۔ بیس پچیس آدمی چھوٹی چھوٹی میزوں کے اطراف اِدھر اُدھر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ پاسپرٹو اور فکس نے بھی ایک میز پر جگہ سنبھال لی۔ پاسپرٹو تو بوتل پر بوتل چڑھاتا گیا لیکن فکس نے برائے نام گلاس کو منہ لگایا۔ پھر اِدھر

اُدھر کی باتیں چھیڑیں تو پاس پرٹو کو فوراً خیال آیا کہ اپنے آقا کو جہاز کی روانگی کے وقت کے بارے میں بتلانا چاہئے۔ پاسپرٹو کرسی سے اٹھنے لگا تو فکس نے اس کا بازو پکڑ کر بٹھا دیا اور بولا: ''ارے کچھ دیر تو ٹھہرو۔ ایسی کیا جلدی ہے، مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، تمہارے مالک کے بارے میں۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں؟''

''بے شک، جانتا ہوں'' پاس پرٹو نے جواب دیا ''میرے آقا پر نگرانی رکھنے کے لئے تم 'ریفارم کلب' کی جانب سے بھیجے گئے ہو۔''

''سنو غور سے میں لندن پولیس کا ایک سراغ رساں ہوں۔''

''تو تم واقعی پولیس کے آدمی ہو؟'' پاسپرٹو نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں مجھے خاص طور پر تمہارے آقا فلیس فوگ کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔''

''سفر کی شرط تو محض ایک دھوکہ ہے تاکہ سب کو الّو بنایا جاسکے۔'' فکس نے کہا ''تمہیں پتہ ہے کہ 29 ستمبر کو لندن کے سرکاری بینک میں 55 ہزار پونڈ کی چوری ہوئی تھی۔ میرے پاس چور کا حلیہ بھیجا گیا ہے جو فلیس فوگ چہرہ مہرہ سے بالکل ملتا جلتا ہے۔''

''یہ ناممکن ہے میرا آقا دنیا کا سب سے ایمان دار آدمی ہے۔''

''تمھیں یہ کیسے معلوم کہ وہ ایک ایمان دار آدمی ہے۔ تم تو اسے جانتے بھی نہیں تھے۔ تم تو اسی دن فلیس فوگ کے پاس نوکر ہوئے تھے جس دن وہ سفر پر روانہ ہونے والا تھا۔ پھر تمھیں کیسے معلوم کہ وہ ایک نہایت ایمان دار آدمی ہے۔''

فکس نے پاسپرٹو کے لئے ایسی شراب منگوائی جس میں افیم ملائی گئی تھی۔ گلاس میں وہ شراب انڈیلتے ہوئے کہا اس نے کہا ''تمھیں میری مدد کرنی پڑے گی۔ گرفتاری کا وارنٹ کسی وقت بھی ہانگ کانگ آسکتا ہے اگر اس وقت تک تم اپنے آقا کو یہاں روکے رکھو تو میں دو ہزار پونڈ کے انعام میں سے آدھا حصہ تمہیں دوں گا۔''

پاسپرٹو نے جواب دیا ''یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ مجھے تمہاری کسی بات پر بھروسہ نہیں ہے۔'' اور وہ اٹھ کر جانے لگا تاکہ آقا کو جہاز کی روانگی کا صحیح وقت بتلا سکے۔ لیکن اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ نشہ میں دھت ہوگیا تھا۔ افیم نے اندر ہی اندر اپنا کام شروع کردیا تھا۔ نشہ میں چور ہوکر وہ پھر کرسی پر گر گیا اور غصے میں چیخنے لگا۔ ''اگر میرا آقا ایک چور بھی ہو تب بھی میں اس کا وفادار رہوں گا۔ کیا سمجھے؟ وہ مجھ سے ہمیشہ اچھا سلوک کرتا رہا ہے، سمجھے۔ کیا سمجھے؟ میں اور ایسے شریف آدمی کو دھوکہ دوں؟ نہیں ،ہرگز نہیں۔ کیا سمجھے؟ چاہے دنیا کی ساری دولت بھی میرے قدموں میں کیوں نہ ڈال دی جائے۔ میں ایسے باپ کی اولاد نہیں جو ایسا ذلیل کام کرے۔''

فکس نے پاسپرٹو کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ غصہ سے بے قابو ہوکر چلانے لگا۔ میز پر زور زور سے مکے مارنے لگا اور آخر کار بے سدھ ہوکر فرش پر گر پڑا تو فکس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ زیر لب کہنے لگا ''بہت خوب، اب فلیس فوگ کو جہاز کی روانگی کا صحیح وقت معلوم نہ ہوسکے گا۔'' اور پھر وہ بل ادا کرکے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔

ادھر یہ سب کچھ تماشا ہوتا رہا اور ادھر فلیس فوگ اور آؤدا ہانگ کانگ کے پر رونق بازاروں کی سیر کرتے رہے۔ آؤدا نے سفر کے لئے کچھ کپڑے خریدے اور پھر دونوں رات کا کھانا کھانے کے لیے ہوٹل واپس آگئے۔ آؤدا بہت تھک گئی تھی۔ کھانے کے بعد وہ ایک دوسرے کو شب بخیر کہہ کر سونے کے لئے اپنے اپنے

کمرے میں چلے گئے کیوں کہ دوسرے دن 7 نومبر کو سویرے ہی 'کرناٹک' جہاز روانہ ہونے والا تھا۔

صبح تک پاسپرٹو ہوٹل واپس نہ آیا تو فلیس فوگ نے اپنا سفری بیگ اٹھایا اور آؤدا کو ساتھ لے کر ایک گاڑی میں بندرگاہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس وقت 8 بج رہے تھے اور جہاز ساڑھے نو بجے روانہ ہونے والا تھا۔ آدھا گھنٹہ بعد جب وہ گودی پہنچے تو معلوم ہوا کہ 'کرناٹک' جہاز تو گزشتہ رات ہی روانہ ہوگیا۔ یہ سن کر فلیس فوگ کے چہرے سے مایوسی کے کوئی آثار ظاہر نہ ہوئے اور جب آؤدا نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا تو اس نے کہا ''کوئی بات نہیں اس سے کچھ نہیں ہوگا۔''

دھن کے پکے فلیس فوگ نے ہمت نہ ہاری۔ اس نے بندرگاہ میں ایسے جہاز کی تلاش شروع کردی جو اسے یوکوہاما لے جاسکے۔ تین گھنٹے تک وہ گودی پر اِدھر سے اُدھر گھومتا رہا۔ آخر اس کی نظر ایک چھوٹے سے جہاز 'ٹینکاڈری' پر پڑی۔ قریب جاکر اس نے کپتان سے پوچھا ''کیا تم ہمیں یوکوہاما لے چلو گے؟''

کپتان نے حیرت سے کہا ''آخر کس طرح؟ یہ چھوٹا سا جہاز تو اتنے لمبے سفر پر نہیں جاسکے گا۔ یہ سفر بڑا خطرناک ہوگا کیونکہ یہاں سے یوکوہاما 1600 میل دور ہے اور اتنی دور کھلے سمندر میں جانا خطرے سے خالی نہیں۔''

فوگ نے اس کے جواب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا ''لیکن مجھے کسی حال میں بھی 14 نومبر تک یوکوہاما پہنچنا ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمھیں ہر روز ایک سو پونڈ کے حساب سے کرایہ دوں گا اور اگر تم نے وقت پر پہنچادیا تو کرایہ کے علاوہ 200 پونڈ انعام بھی۔''

کپتان نے فلیس فوگ کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''کیا تمھیں واقعی اتنی جلدی ہے؟''

فلیس فوگ نے جواب دیا ''ہاں بہت جلدی ہے۔''

کپتان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے؟ ایک طرف اتنی بھاری رقم تھی تو دوسری طرف جان کا خطرہ۔ آخر کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا: ''یہ بڑا لمبا سفر ہے۔ میں اتنے سارے لوگوں کی جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ تو کھلے موت کے منھ میں جانا ہوگا۔ البتہ میں تمھیں چین کی بندرگاہ شنگھائی پہنچادوں گا۔ امریکہ جانے والے سارے کے سارے جہاز شنگھائی ہوکر جاتے ہیں۔ تم وہاں سے جہاز پکڑ سکتے ہو۔''

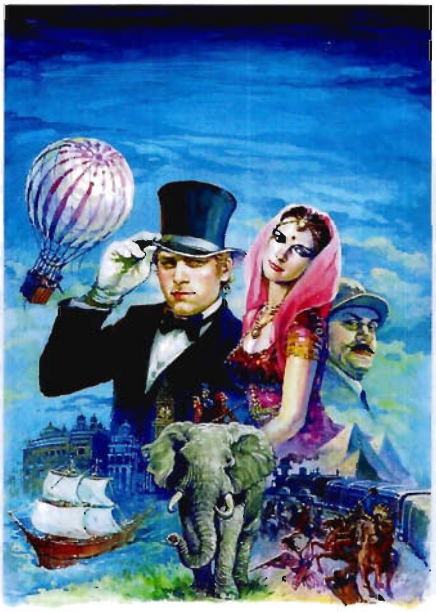

''کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو؟'' فوگ نے اس سے پوچھا۔

''ہاں'' کپتان نے جواب دیا۔ ''جہاز شنگھائی سے 11 نومبر کی شام روانہ ہوتا ہے۔ اگر مخالف ہوائیں نہ چلیں تو ہم یہ آٹھ سو میل کا فاصلہ چار دن میں طے کرلیں گے۔''

''پھر ہم کب چل سکیں گے؟'' فلیس فوگ نے جہاز کے کپتان سے پوچھا۔

بس گھنٹہ بھر میں'' کپتان نے جواب دیا ''میں بس کچھ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے لوں۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم آدھے گھنٹے میں آتے ہیں۔'' فلیس فوگ بولا۔

''لیکن بے چارے پاسپرٹو کا کیا ہوگا؟'' آؤدا نے پریشانی سے پوچھا۔ وہ اس کے لیے بہت فکرمند تھی۔ آخر اسی نے تو اسے مرنے سے بچایا تھا۔

''فکر نہ کرو۔ میں اسے ڈھونڈ نکالنے کی پوری کوشش کروں گا۔'' فلیس فوگ نے جواب دیا۔

دونوں سیدھے ہانگ کانگ کے پولیس اسٹیشن گئے۔ وہاں پاسپرٹو کا حلیہ درج کروایا اور اس کے سفر کے خرچ کے لئے کچھ رقم بھی رکھوادی۔ اس کے بعد فوگ نے احتیاطاً فرانسیسی سفارت خانے پر بھی اس کی اطلاع کردی۔ جاری□

شبنم پروین

ہاکی

جس پر کبھی ہماری حکومت تھی

پیارے دوستو، اب ہم اس کھیل کی طرف آتے ہیں جو ہمارا قومی کھیل بھی ہے اور جس کے کبھی ہم پوری دنیا میں بے تاج بادشاہ تھے۔ یہ ہے ہاکی۔ اور ٹھیک ٹھیک کہیں تو فیلڈ ہاکی۔ کیونکہ ہاکی کوئی ایک کھیل نہیں بلکہ کھیلوں کا پورا خاندان ہے اور اس خاندان کا باقی کھیلوں کا ہم آگے ذکر کریں گے۔

اس میں دو ٹیمیں ہوتی ہیں جن کے کھلاڑی، ایک سرے پر انگریزی حرف J یا L کی طرح گھومے ہوئے ڈنڈے سے جسے ہاکی اسٹک کہتے ہیں، ایک ٹھوس گیند یا بڑی سی ٹھوس گوٹی puck کو اچھال یا دھکیل کر مخالف ٹیم کے گول میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لفظ ہاکی کہاں سے آیا یہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کا سب سے پہلا ذکر 1363 میں انگلینڈ کے بادشاہ ایڈورڈ سوئم کے ایک شاہی حکم نامے میں ملتا ہے، جس میں ہینڈ بال، فٹ بال یا ہاکی جیسے کھیلوں پر پابندی کی بات کہی گئی تھی جن میں پتھر، لکڑی یا لوہے سے بنی چیزوں کو اچھالا اور پھینکا جاتا ہو۔ عہد وسطیٰ کی فرانسیسی زبان (مڈل فرنچ) میں چرواہے کی لاٹھی کو ہوکیٹ hoquet کہتے تھے اور کسی ڈنڈے کے موڑے ہوئے سرے کو انگریزی میں hooked end کہتے ہیں، چنانچہ ہوسکتا ہے لفظ ہاکی ان ہی لفظوں کے ملنے سے بنا ہو۔

ایک سرے پر مڑے ہوئے ڈنڈے یا ہاکی سے کھیلے جانے والے کھیلوں کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ مصر میں چار ہزار سال پہلے ہاکی نما ڈنڈوں سے گولے پھینکنے کے کھیلوں کے ثبوت ملتے ہیں۔ آئرلینڈ میں 1272 قبل مسیح میں اور یونان قدیم Ancient Greece میں 600 قبل مسیح میں اور اسی طرح منگولیا اور چین میں بھی اس سے ملتے جلتے کھیل ہوتے تھے۔

ظفر اقبال

1980 کے ماسکو اولمپک میں ہندوستانی ہاکی ٹیم کی فتح کا جشن مناتے ہوئے لوگ۔ یہ آخری موقع تھا جب ہندوستان کو ہاکی میں اولمپک گولڈ ملا تھا

ہاکی کی کئی قسمیں ہیں جن میں سب سے مشہور ہے فیلڈ ہاکی جو ایشیا میں بھی کھیلی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ برف سے ڈھک جانے والے میدانوں میں بڑی سی چپٹی گوٹی puck سے کھیلی جانے والی 'آئس ہاکی' وجود میں آئی، جسے کھلاڑی برف پر پھسلنے والے جوتے پہن کر کھیلتے ہیں۔ اپنی تیز رفتار کی وجہ سے یہ کھیل اس قدر مقبول ہوا کہ، آئس لینڈ، گرین لینڈ، کناڈا، شمالی امریکہ اور یوروپ کے برفانی علاقوں کے علاوہ ان ملکوں میں بھی مصنوعی برف کے میدانوں پر کھیلا جانے لگا جہاں برف نہیں جمتی۔ ان کے علاوہ پہیے لگے جوتے پہن کر کھیلی جانے والی اِن لائن ہاکی ہے جو آئس ہاکی سے ملتی جلتی ہوتی ہے، رولر ہاکی ہے جس میں اسکیٹنگ جوتے پہنے جاتے ہیں، سلیج ہاکی ہے جو آئس ہاکی کی ہی ایک اور قسم ہے، اور پھر اسٹریٹ ہاکی بھی ہے جو، جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے، سڑک جیسی سخت سطح والے میدان پر گیند سے کھیلی جاتی ہے۔ اسی طرح ایئر ہاکی، بیچ ہاکی، بال ہاکی، بینڈی، باکس ہاکی، بروم بال، ڈیک ہاکی، فلور ہاکی، فلور بال، فٹ ہاکی، جم ہاکی، ہرلنگ، منی ہاکی، نوک nok ہاکی، پاور ہاکی، رنگیٹ، رنک بال، روسل ہاکی، شینی، شنٹی، اسکیٹر ہاکی، اسپونجی، ٹیبل ہاکی، انڈر واٹر ہاکی، یونی سائیکل ہاکی جیسے متعدد ہاکی کھیل ہیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں کھیلے جاتے ہیں۔ پولو بھی ہاکی سے ملتا جلتا ہے جسے آپ چاہیں تو 'ہارس ہاکی' کہہ سکتے ہیں۔ تاہم ان سب میں فیلڈ ہاکی ہی سب مقبول ہاکی ہے جو دنیا کے ہر حصے میں کھیلی جاتی ہے اور اسی کھیل میں ہمارا ملک ایک طویل عرصے تک اولمپک اور عالمی چیمپئن رہ چکا ہے۔ اولمپک کی تاریخ میں ہاکی کے سب سے زیادہ (گیارہ) تمغے ہندستان کو ہی ملے ہیں جن میں آٹھ گولڈ میڈل، ایک سلور میڈل اور دو کانسے کے تمغے شامل ہیں۔ مگر افسوس اب ہندستان ہاکی کا

تاجدار نہیں ہے۔ اس کی ٹیم کے لیے کئی بار اولمپک یا عالمی ہاکی کپ مقابلے میں کوالیفائی کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

دنیا بھر میں فیلڈ ہاکی کو کنٹرول کرنے والی تنظیم کا نام انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن FIH ہے اور 116 ملک اس کے ممبر ہیں اور اس کی نگرانی میں عالمی کپ ہاکی مقابلوں کا آغاز 1971 میں بارسلونا اسپین سے ہوا تھا۔ ہندستان نے یہ کپ صرف ایک مرتبہ 1975 میں کوالالمپور، ملیشیا میں جیتا ہے اور اس جیت کے ہیرو اسلم شیر خاں تھے۔

1936 کے برلن اولمپک میں گولڈ میڈل کی ہیٹ ٹرک بنانے والی ہندوستانی ہاکی ٹیم

میجر دھیان چند سنگھ جو دھیان چند کے نام سے مشہور ہوئے اور جنھیں کئی سال سے 'بھارت رتن' قرار دینے کی بات چل رہی ہے، فیلڈ ہاکی کے آج تک کے سب سے عظیم کھلاڑی تھے جو 29 اگست 1905 کو الہ آباد میں پیدا ہوئے اور 3 دسمبر 1979 کو جنھوں نے انتقال کیا۔ انھیں ہاکی کا جادوگر کہا جاتا تھا۔ 1928 میں امسٹرڈم میں ہندوستان کے پہلے اولمپک مقابلے میں سینٹر فارورڈ کے طور پر کھیلتے ہوئے دھیان چند نے 5 میچوں میں 14 گول کیے اور ملک کو پہلا اولمپک گولڈ میڈل دلایا۔

اسلم شیر خاں

1956 میں انھیں پدم بھوشن کا خطاب دیا گیا جو آج تک کسی اور ہاکی کھلاڑی کو نہیں ملا ہے۔ ان کے یوم پیدائش 29 اگست کو کھیلوں کے قومی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔

دھیان چند کے علاوہ ہندوستانی ہاکی کھلاڑیوں میں، لیزلی کلاڈیس، بلبیر سنگھ سینیر، اجیت پال سنگھ، اودھم سنگھ، کے ڈی سنگھ بابو، محمد شاہد، اسلم شیر خاں، دھن راج پلّے، گگن اجیت سنگھ نے کافی شہرت حاصل کی ہے۔ خواتین میں اینی لمسڈین، یون اسمتھ، ایلویرا بریٹو، سنیتا پوری، ورشا سونی، پریم مایا سونیر، اومانا کماری، ممتا کھرب، سورج لتا دیوی، ہیلن میری اور صبا انجم نے خوب نام کمایا ہے۔

اولمپک میں ہاکی کا پہلا اور دوسرا گولڈ میڈل برطانیہ نے جیتا تھا، تیسرے اولمپک میں ہاکی کا کھیل ہوا ہی نہیں۔ 1928 سے لے کر 1956 تک ہندستانی ٹیم نے لگاتار 6 اولمپک گولڈ میڈل جیتے جو آج بھی ایک ریکارڈ ہے۔ اس طرح ہندستانی ہاکی کبھی ہاکی کی دنیا پر راج کرتی تھی مگر آج ہماری ٹیم عالمی درجہ بندی میں پاکستان سے ایک نمبر پیچھے 9 ویں درجے پر ہے جب کہ ہماری خواتین ٹیم 10 ویں مقام پر آچکی ہے۔ مرد ہاکی میں پہلا نمبر آسٹریلیا کا اور خواتین میں ارجنٹائنا کا ہے۔

ہندوستان میں ہاکی کے زوال کے لیے ہاکی فیڈریشنوں کی آپس کی اور اندرونی سیاست کے علاوہ میڈیا، بڑی کمپنیوں یا اداروں کی طرف سے ہاکی کو کرکٹ کے مقابلے میں بہت کم توجہ اور سرپرستی ملنے کو خاص طور پر ذمہ دار مانا جاتا ہے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ آپ جیسے نئی نسل کے لوگ بڑے ہو کر اس کھیل کی طرف زیادہ توجہ دیں گے اور اپنے وطن کو ہاکی میں وہی مقام واپس دلائیں گے جو اسے آج سے پچاس سال پہلے حاصل تھا! □

♦ شبنم پروین، C280، سیکنڈ فلور، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

یہ مزے مزے کی حکائتیں...

عیدالاضحیٰ پر موصول ہونے والے کچھ ایس ایم ایس:

• تمام ثبوتوں اور گواہوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو دفعہ 15/ 10/ 2013 کے تحت ایک دن پہلے عید مبارک کہتے ہوئے ساری عمر خوش رہنے کی سزا دی جاتی ہے! (نامعلوم)

• 16 اکتوبر کو
اگر تم دل مانگو گے تو ہم دل دیں گے
زبان مانگو گے تو زبان دیں گے
جگر مانگو گے تو جگر دیں گے
قربانی کے بکرے کا
وہ بھی مفت! (طاہر مالیگاؤں)

• دعوت نامۂ شادی
مسز اور مسٹر بریانی کی طرف سے
سلمہٗ مسالہ (فرزند جناب زیرہ رائس)
اور سلمہا قیمہ مسالہ (دختر جناب سیخ کباب)
کی شادی شکم آبادی کے مبارک موقع پر 16 اکتوبر کو رات 9 بجے آپ سب مدعو ہیں۔
مقام: نزد کلیجی فنکشن ہال، پایا بلڈنگ، بھیجا فرائی روڈ، بالمقابل چربی تھیٹر، گردہ محلّہ، بکرا نگر، قربان پور۔ (نامعلوم)

• خدا اور کفر کے جھگڑے سے ہم نے
بچایا اس طرح سے اپنا داماں
دیا دل اُس بت کافر ادا کو
خدا پر کر دیا بکرے کو قرباں
(یہاں بت کافر ادا، شاعر نے معشوق کو کہا ہے)
(سراج نقوی، اور فیملی، نئی دہلی)

• عجیب داستاں ہوتی ہے دوست کی
لڑنا ملنے سے بھی اچھا لگتا ہے
کچھ منانے والے بھی ہوتے ہیں تو
کچھ کو چڑانا بھی اچھا لگتا ہے
دوست کے منہ سے کچھ سننے کے لیے
کبھی جھک جانا بھی اچھا لگتا ہے
سفر ٹرین کا ہو یا زندگی کا
ختم ہی نہیں ہوتی باتیں
پھر بھی خاموش رہ کے مسکرانا اچھا لگتا ہے
یارو ہمیشہ ساتھ رہنا
تمھارا یارانہ اچھا لگتا ہے

ایس ایم ایس کرنے والے نے اپنا نام اور مقام نہیں لکھا۔ انداز شاعرانہ ہے مگر مجال ہے جو ایک بھی مصرع وزن یا بحر میں ہو۔ ایسا ہوتا تو یہی باتیں اور بھی اثر دار ہوتیں۔ اس طرح کے ایس ایم ایس بھیجنے والوں سے، ہماری گزارش ہے کہ وہ انھیں آس پاس کے کسی استاد شاعر کو دکھا کر اور ان سے اصلاح لے کر ایس ایم ایس کیا کریں، تا کہ سب کو پڑھ کر مزا آئے۔ ٹھیک ہے نا!

• میں نے اپنی لائف میں بہت دھوکے کھائے ہیں۔ مثلاً سیب، آم، چیکو، انگور، آلو وغیرہ۔ سب پانی سے دھوکے ہی کھائے ہیں۔ آپ بھی دھوکے کھایا کریں! (مسرت جہاں، PO انڈال، ضلع بردوان، ویسٹ بنگال)

ننھے فن کار

یمنا احتشام، ہولی کراس، رسول منزل، محلّہ ملاّ حلیم خاں دربھنگہ، بہار سے لکھتی ہیں: ''میں بھیا سے بچوں کی الف لیلہ، الٹا درخت، کالی دنیا، نیلی دنیا، نسطور کی کہانیاں سنتی ہوں۔ گلشن اطفال اور امنگ بھی آتا ہے۔ لیکن جب سے 'بچوں کی دنیا' گھر میں آیا ہے ایک نیا جوش گھر کے ماحول میں پیدا ہو گیا ہے۔ 'کویتا کوئز' اور اسکول میگزین میں شامل ہوتی رہتی ہوں۔ 'سارا دیش ایک فیملی بن جائے' یہ میری ذاتی فیلنگ ہے۔'' بہت خوب یمنا، آپ کا نام بھی پیارا ہے اور یہ ننھی سی نظم بھی آپ جیسی ہی پیاری ہے۔ آپ سب بھی سنیے:

میری اک چھوٹی سی فیملی
اس میں ہیں بس چار افراد
ممی پاپا اور اک بھائی
میں اس گھر کی بٹیا رانی
مل کر سب ہی رہتے ہیں
خوب آپس میں بنتی ہے
کبھی کبھی ہی ٹھنتی ہے
بھیا مرا بڑا نٹ کھٹ
میں بھی نہیں کسی سے کم
پھر بھی ہم ہیں دوست سبھی
ہر اک کا ہے اپنا مقام
اکثر میں یہ سوچتی ہوں
دادا دادی پھر آجائیں
سارا دیش فیملی بن جائے

N-139B ابوالفضل اینکلیو جامعہ نگر نئی دہلی کے طاہر صدیقی نے ماں کی تعریف میں جو تحریر بھیجی ہے اس میں بڑوں نے یقیناً مدد کی ہوگی مگر چراغ سے چراغ اسی طرح جلتے ہیں۔ تحریر کے کچھ حصے ملاحظہ ہوں جو بہت اچھے ہیں:

ماں

خدا نے کہا: ماں میری طرف سے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے
جنت نے کہا: ماں کے قدموں تلے میں ہوں
سمندر نے کہا: ماں اولاد کے سارے غم اپنے اندر چھپاتی ہے
شاعر نے کہا: ماں ہر دل والے کے دل میں اتر جاتی ہے
زخمی نے کہا: ماں کی دعاؤں میں میری دوا ہے
طوفان نے کہا: ماں ایک ساحل ہے
موسم نے کہا: ماں ساون کا ایک قطرہ ہے
جج نے کہا: ماں کی تعریف کے لیے دنیا میں لفظ نہیں ملتے
میں نے کہا: ماں نور ہے، مہک ہے، رنگ ہے، ممتا ہے، اور مجسم دعا ہے۔

طاہر میاں کو ڈرائینگ کا بھی شوق ہے جس کا یہ نمونہ انھوں نے بھیجا ہے۔

اگر آپ کو بھی نظم یا کہانی یا لکھنے کا شوق ہے یا مصوری کا شوق رکھتے ہیں تو فوراً اپنی تخلیق اپنی تصویر اور مکمل پتے کے ساتھ اس صفحے کے لیے ڈاک یا ای میل سے بھیج دیجیے۔

❑ طٰہٰ نسیم

♦ مالیگاؤں جیسے اردو کے زرخیز شہر میں کتابوں کی سیل لگی تھی۔ وہاں اچانک 'بچوں کی دنیا' پر نظر پڑی اور میں اسے گھر لے آیا۔ بچوں نے دیکھا تو یقین کیجیے سرورق کی دیدہ زیبی دیکھ کر بچوں نے رسالہ ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اسکول کا ہوم ورک چھوڑ کر رسالے کی ورق گردانی میں لگ گئے۔ ایک بار پھر اتنا اچھا کم قیمت رسالہ چھاپنے لیے شکریہ۔

•تعریف کے لیے شکریہ مگر بچوں کا ہوم ورک کبھی ڈسٹرب نہ ہونے دیجیے۔ اور ہاں آپ اپنا نام پتہ تحریر کرنا بھول گئے ہیں۔

♦ 'اردو دنیا' تو پڑھتا تھا، لیکن اس کا ننھا روپ 'بچوں کی دنیا' دیکھ کر خوشی ہوئی۔ بچوں کے لیے آپ اس میں گوشہ رکھتے تھے لیکن بچوں کے لیے واقعی ایک نئے میگزین کی ضرورت تھی جو اب پوری ہو گئی ہے۔ طباعت، کاغذ اور مشمولات کے لحاظ سے یہ میگزین کسی بھی دوسری زبان کی میگزین کے ساتھ ہم رکھ سکتے ہیں۔

صدر عالم گوہر پُرسولیا مدھوبنی بہار۔ 847226

♦ 'بچوں کی دنیا' کا نومبر کا شمارہ ملا جو پچھلے شماروں سے نکھرا ہوا ہے۔ اگر آپ اسی طرح محنت کرتے رہے تو ایک دن یہ اپنی مثال آپ ہوگا۔ منظوم و منثور تخلیقات اصلاحی اور معلوماتی ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ یہ بچوں کا ہی نہیں بڑوں کا بھی پرچہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے ادارے کے سارے ہی جریدے خوب بلکہ بہت خوب ہیں۔ میں تینوں پرچوں کا خریدار ہوں۔

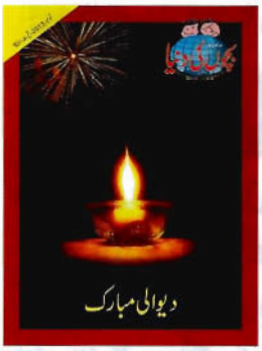

حضور سہسوانی راز منزل چودھری محلہ سہسوان بدایوں یوپی۔ 243638

♦ 'بچوں کی دنیا' بازار سے خریدا، دل خوش ہو گیا۔ عمدہ کاغذ دل کش تصاویر بہترین مضامین غرض اسی میں کھو گیا۔ گھر کے بچے پسند کرتے ہیں تو بڑے بھی پیچھے نہیں۔ اگست کی تمام کہانیاں مضامین نظمیں اچھی لگیں۔

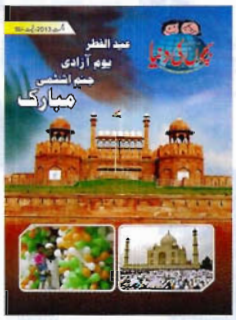

فیاض احمد ساؤتھ بازار انڈال ضلع بردوان مغربی بنگال۔ 713321

♦ 'بچوں کی دنیا' پسند آیا۔ بچوں کے لیے رسالے کم نکل رہے ہیں۔ آپ کی یہ کوشش امید ہے اس انداز سے آگے اور اونچائیوں پر جائے گی۔ پہلا ہی شمارہ دل پر اثر انداز ہو گیا تھا۔ خوب صورت سادگی بھرا سرورق، صاف ستھری کتابت، رنگین طباعت، سبھی کچھ تو دل کو موہ لینے والا ہے۔

راہی صدیقی ہردویانوی، ہردوئی یوپی۔

♦ 'بچوں کی دنیا' میں مضامین کی نوعیت اور پیش کش کے انداز نے کھلونا کی یاد تازہ کر دی۔ آرٹ پیپر پر دل کش تصاویر، دل چسپ معلوماتی اور معیاری مضامین دیکھ کر یہ امید بندھتی ہے کہ یہ بچوں کے مقبول ترین رسالے کی حیثیت حاصل کرے گا۔

ڈاکٹر محمد اسداللہ، 30 گلستان کالونی، جعفر نگر، ناگپور۔ 440013

♦ آپ نے جو 'بچوں کی دنیا' ترتیب دی ہے، اس میں زندگی کے روشن تابناک رنگ، صبح صادق کی بشارت اور اس کا منظر نمایاں ہیں۔ مجھے ایسا محسوس یہو رہا ہے جیسے آپ نے خورشید کا سامان سفر تازہ کر دیا ہے اور اسی سے مستقبل کے شام و سحر تابندہ ہو سکتے ہیں! زیادہ حد ادب!

ڈاکٹر ریشما تبسم، محلہ ملا حلیم خاں، رسول منزل، دربھنگہ، بہار

♦ یہ رسالہ بچوں کے دیگر رسالوں سے ہٹ کر ہے اور صرف بچوں کے لیے نہیں بڑوں کے لیے بھی مفید اور سبق آموز ہے۔ اس کا ایک ایک ورق لائق قدر اور معلوماتی ہے۔ میری جانب سے مبارکباد پیش ہے۔

ڈاکٹر قمر رئیس بہرائچی، 339 بڑی ہاٹ، بہرائچ، یوپی

♦ 'اردو دنیا' کے بارے میں سنا تھا لیکن مطالعہ نہیں کر سکا تھا۔ اِدھر یہ اسٹالوں پر آتا نہیں۔ اردو پڑھنے والے خال خال ہیں، جس کی وجہ

سے ایجنٹ حضرات اردو پرچے منگوانے سے گریز کرتے ہیں۔ ایک صاحب دہلی گئے تھے ان سے ذریعے 'اردو دنیا' (اگست) اور 'بچوں کی دنیا' (جولائی) کے شمارے منگوائے۔ دونوں ہی رسالوں کے مشمولات کے علاوہ ان کی تزئین وتہذیب نے متاثر کیا۔ اردو کونسل کی یہ دین قابل تحسین ہے۔ 'بچوں کی دنیا' میں شامل منظوم ومنثور تحریریں بچوں کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہیں جن سے بچوں کو پڑھنے کی طرف راغب کرنے میں آسانی ہوگی اور ان کی ذہنی تربیت بھی۔

مہدی پرتاپ گڑھی، 28 اسکول وار، پرتاپ گڑھ، یوپی۔ 220001

♦ 'بچوں کی دنیا' نظر نواز ہوا۔ یہ بھی 'اردو دنیا' کی طرح دیدہ زیب ہے۔ بچوں کی زبان وادب قدم کونسل نے اٹھایا ہے وہ لائق تحسین ہے۔ بچے ہمارا مستقبل ہیں ان پر توجہ دینا ہمارا فرض اولین ہے۔

خالد رحیم، خانساماں لین، منی ساہو چوک، بکسی بازار، کٹک، اوڈیشا۔ 753001

♦ جولائی کا شمارہ نظروں سے گزرا۔ آپ نے دریا کو کوزے میں سمانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ بچوں کا رسالہ، وہ بھی اتنا خوب صورت! یقیناً دل

گردے کی بات ہے۔ اتنی زبردست اور صحت مند کاوش پر اردو کونسل کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ رسالہ پڑھ کر بچپن کی یادیں تازہ ہوگئیں جب ہمیں انتظار ہوا کرتا تھا کب کوئی بچوں کا رسالہ ملے اور ہم پڑھیں۔ تمام مضامین قابلِ داد ہیں۔ بطور خاص 'نانی کے صندوق سے' دل کو بھا گیا۔ قلیل عرصے میں رسالے کی مقبولیت اس کی غماز ہے کہ برسوں سے بچوں کا ادب ایسے رسالے کا منتظر تھا۔ ایسا حسین تحفہ آپ نے بچوں کو دیا کہ تعریف کے لیے موزوں الفاظ ملنا مشکل ہے۔

انصاری عبدالماجد 368 نیو وارڈ بدر کا باڑہ مالیگاؤں مہاراشٹر۔ 423203

♦ 'بچوں کی دنیا' کسی نعمت سے کم نہیں۔ بس یہ کہہ سکتا ہوں: کیا بیاں اوصاف تیرے میں کروں کہ شمس تو / عالم علم وادب پر پھیلی کرنیں چار سو

قاضی انیس کیفی نزد مدرسہ انوار العلوم الماس کالونی مہرون جلگاؤں مہاراشٹر۔

'بچوں کی دنیا' کے لیے

بچوں کے لیے پیاری پیاری نظمیں لکھنے والے مشہور شاعر جناب حیدر بیابانی نے 'بچوں کی دنیا' کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک 'نو شیجی نظم' ہمیں لکھ بھیجی ہے۔ یعنی ایسی نظم جس کے ہر شعر کے پہلے مصرع کے پہلے حرفوں کو جوڑ دیں تو وہ نام بن جاتا ہے جس پر نظم کہی گئی ہے۔ حیدر صاحب کے شکریے کے ساتھ نظم پیش ہے:

ب: بہت دن بعد بچوں کا رسالہ ایسا دیکھا ہے
بڑا دل کش ، نرالی شان والا ایسا دیکھا ہے

چ: چمن کے سارے پھولوں سے سجا ہے ہر ورق اس کا
کہ جیسے خوشبوؤں میں بس گیا ہے ہر ورق اس کا

و: وسیلہ کونسل کا اور تکیہ ہے حکومت پر
نکھار اس واسطے آیا ہے اس کی شکل وصورت پر

ن: نہ تو ثانی کوئی اس کا نہ تو انیسواں کوئی
اسی پائے کا پرچہ دوسرا پائے کہاں کوئی

ک: کرے ہے انتظار اس کا مہینہ بھر ہر اک بچہ
ملے ہے ان کو جو تنہائی کا ساتھی بہت اچھا

ی: یقیناً یہ رسالہ آسماں چھو کر دکھادے گا
ادب میں خود یہ اپنے نام کا ڈنکا بجا دے گا

د: دکھادے گا یہ دنیا کو کہ بچوں کا ادب کیا ہے
ہے منزل کون سی تقدیر میں، راہِ طلب کیا ہے

ن: نظر اس کو لگے نہ حاسدوں کی اے مرے مولا
ملے نہ راہ اس کو مشکلوں کی اے مرے مولا

ی: یہ اس کی چھب یہ اس کا ڈھب ہمیشہ ہی رہے قائم
یہ رنگینی، یہ دیدہ زیبیاں صدیوں رہیں قائم

ا: اسے بچوں بڑوں میں پیار کا جذبہ جگانا ہے
ادب اور علم و دانش کے چراغوں کو جلانا ہے

حیدر بیابانی، بسیرا، اچلپور سٹی، ضلع امراوتی، مہاراشٹر۔ 444806

دماغی ورزش

ذہنی آزمائش

نام ڈھونڈیے:

اردو کی کچھ مشہور اور اہم کتابیں ہم سے کھوگئی ہیں جن میں ناول اور شعری مجموعے بھی شامل ہیں۔ ان کے ناموں کے حروف کی ترتیب بھی گڑبڑ ہوگئی۔ کیا نام ڈھونڈنے میں مدد کر سکتے ہو؟

1۔آ اب ت ح ی 2۔ا اب درغ ل ن و ی 3۔آ ا ادر ک گ ی
4۔ا ت د ذ ر س ش ک ک گ گ د ھ ی ے ے 5۔ا اب در گ ن
6۔ا ت خ ل ں ی 7۔ا خ ر گ ل ن ن ے ے 8۔ا ب خ ر ر ط غ
9۔ا ا چ در س ک ل م ی ی ے ے 10۔ا ت ح ق م ں ے

انہیں پہچانیے:

یہاں ہم اردو کے پانچ بڑے شاعروں کی وہ تصویریں اور شبیہیں دکھا رہے ہیں جو بہت زیادہ عام نہیں ہیں۔ انھیں غور سے دیکھیے اور پہچانیے۔ ہم صرف ایک اشارہ دے رہے ہیں۔ یہ پانچوں شاعر ہیں۔

1

2

3

4

5

دس لفظ

اردو میں استعمال ہونے والے ان دس لفظوں کے صحیح معنی تلاش کرو:

1۔آموختہ: کوفتے کی ڈش/ خشک لکڑی/ پچھلا سبق/ عرب کا ایک قبیلہ
2۔اِختلاط: میل جول/ مخالفت کرنا/ سنبھل کر چلنا/ چھلانگ لگانا
3۔بصارت: شہر بصرہ کا باشندہ/ آنکھ کی روشنی/ ایک عدالت/ صبر کرنا
4۔پاپوش: ٹوپی/ جوتا/ آستین/ کشمیری پاجامہ
5۔تصادُم: نشے میں رہنا/ زخمی کرنا/ جانور کو دُم سے پکڑنا/ ٹکرانا
6۔ٹھِلیا: روٹی رکھنے کا برتن/ مٹی کا چھوٹا گھڑا/ اٹھلانے والا/ بے وقوف
7۔ثروَت: دولت مندی/ چھالیہ کترنے کا سروتا/ ٹھنڈا شربت/ عقل مندی
8۔ثالث: ایک ساتھ تین طرف لڑنے والا/ خاص طرح کا حلوا/ تین بیویوں کا شوہر/ انصاف کرانے والا
9۔جامد: مزے دار/ جما ہوا/ پھنسا ہوا/ ماجد کا بھائی
10۔چشمک: آپس کی رنجش/ پرانے زمانے کا ایک آنکھ کا چشمہ/ زمین سے پھوٹنے والا پانی کا چھوٹا چشمہ/ عینک کی کمانی

▲لذیذ سواری: اس شمارے کی خاص تصویر

صحیح جواب

کتابیں: 1۔آبِ حیات 2۔دیوانِ غالب 3۔آگ کا دریا 4۔ایک گدھے کی سرگذشت 5۔بانگِ درا 6۔تلخیاں 7۔نیرنگِ خیال 8۔غبارِ خاطر 9۔ایک چادر میلی سی 10۔حماقتیں۔ **دس لفظ** 1۔آموختہ: پچھلا سبق 2۔اِختلاط: میل جول 3۔بصارت: آنکھ کی روشنی 4۔پاپوش: جوتا 5۔تصادم: ٹکرانا 6۔ٹھلیا: مٹی کا چھوٹا گھڑا 7۔ثروت: دولت مندی 8۔ثالث: انصاف کرنے والا 9۔جامد: جما ہوا 10۔چشمک: آپس کی رنجش۔ **پانچ شاعر**: 1امیر خسرو 2۔نظیر اکبرآبادی 3۔میر تقی میر 4۔مرزا غالب 5۔علامہ اقبال